حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے باقاعدہ منظور شدہ
ماہنامہ
لاہور
شان
جنوری 2018ء
20
SHAN
100% PURE
ESTB.1962

سورۃ ص

اللہ تعالیٰ نے قسم کیوں کھائی؟

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ (۱)بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ{۲} كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ{۳}ص

جواب ترجمہ: ص۔ قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لیے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابو طالب بیمار ہوئے اور قریش ان کے پاس آئے تو نبی کریم بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابوطالب کے سر کے قریب ایک شخص کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابوجہل کھڑا ہوا تاکہ آپ کو اس جگہ بیٹھنے سے روکے، ان لوگوں نے ابوطالب سے حضور کی شکایت کی، ابوطالب نے کہا اے بھتیجے! تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، چچا جان! میں ان سے ایک ایسا کلمہ چاہتا ہوں کہ جس سے عرب ان کے تابع ہو جائیں اور عجم ان کو جزیہ ادا کریں گے، ابوطالب نے کہا ایک ہی کلمہ۔ وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ۔ انہوں نے کہا کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی بنادیا آپ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن پاک (کا یہ حصہ) نازل ہوا۔

ص وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ

یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔(ترمذی)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ کہ جب عمر بن خطابؓ نے اسلام قبول کیا تو قریش کو یہ بہت ناگوار گزرا اور مسلمانوں کو اس پر بہت خوشی ہوئی، ولید بن مغیرہ نے قریش کے سرداروں اور شرفاء سے کہا ابو طالب کی طرف چلو چنانچہ وہ سب گئے اور اس سے کہا تم ہمارے بزرگ اور بڑے ہو تم جانتے ہو کہ ان احمقوں نے کیا کیا اور ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ تم ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کردو ابو طالب نے آپ کو پیغام بھیج دیا۔

جب آپ تشریف لائے تو کہا اے بھتیجے! یہ تمہاری قوم تم سے کچھ مطالبہ کرتی ہے پس تم اپنی قوم پر پوری طرح نہ جھک جانا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا مطالبہ کرتی ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں اور ہمارے معبودوں کا تذکرہ چھوڑ دو ہم تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ دوں جس کے ذریعے تم عرب پر حکومت کرو اور عجم تمہارے سامنے ذلیل ہو جائیں

ابو جہل نے کہا اللہ تیرے باپ کا بھلا کرے پھر تو تم ہمیں دس کلمے دے دو، نبی ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ پڑھ لو۔ وہ سب یہ سن کر بھاگ کھڑے ہوئے اور کہا کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی بنا ڈالا؟ بھلا تمام مخلوق کو ایک معبود کیسے سنبھال سکتا ہے؟۔ اس موقع پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (کذبت قبلھم قوم نوح)(سورۃ ص ۱۲)

اس سورت کا نام ص ہے اور پہلی ہی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ لفظ ص کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام صبور کا مخفف ہے۔ صبور کا معنی ہے صبر اور تحمل کرنے والا۔ اگر اللہ تعالیٰ تحمل کرنے والا نہ ہوتا تو وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق اور اس کے پیغمبروں کے متعلق غلط باتیں کرتے ہیں ان کو ایک لمحہ نہ چھوڑتا

حدیث قدسی ہے بخاری شریف میں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں
يَشْتِمُنِي ابْنُ آدَمَ، وَمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتِمَنِي،
ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مجھے گالیاں دے۔
گالیاں کیسے دیتا ہے؟ فرمایا یدعونی ولدا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، کوئی کہتا ہے عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا ہے۔ جیسے ہماری ثابت النسب اولاد کو کوئی کہے کہ یہ تمہاری نہیں ہے۔ یہ ہمارے لئے گالی ہے۔ اسی طرح لم یلد ولم یولد کی طرف اولاد کی نسبت کرنا گالی ہے۔ فرمایا كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو حق نہیں ہے کہ مجھے جھٹلائے۔ جھٹلاتا کیسے ہے؟ کہتا ہے قیامت والے دن مجھے کھڑا نہیں کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں لتبعثن (تغابن:۲۸) "البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں ہے۔

یہ رب تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ تو رب تعالیٰ کو گالیاں دینے والے اور جھٹلانے والے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ دہریے جو رب تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہیں اس کے وجود کے منکر ہیں وہ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ان کے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں، اس کی کتابوں کی تکذیب کرنے والے بھی دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اس کا حوصلہ ہے کہ فوراً گرفت نہیں کرتا سزا نہیں دیتا کہ صبور ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

مفسرینؒ نے کہا ہے کہ حرف صاد کو ابتداءً لانے میں حسب ذیل امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

(۱) صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہیں جو حرف صاد سے شروع ہوتے ہیں جیسے صادق الوعد (وعدے کا سچا)، صانع المخلوقات (مخلوقات کو پیدا کرنے والا) اور صمد (بے نیاز)۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر خبر پہنچانے میں صادق ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: صٓ سے مراد وہ بحر ہے جس سے اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیانی وقفہ میں مردوں کو زندہ فرمائے گا، ضحاک نے کہا: صٓ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، قتادہ سے مروی ہے کہ یہ قرآن کا اسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۱۵ / ۱۳۰

حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت والے قرآن کی قسم کھائی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جواب قسم یہاں پر مذکور نہیں ہے لیکن مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کلام معجزہ ہے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صٓ اس نصیحت والے قرآن کی قسم! (سیدنا) محمد ﷺ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن معجز ہے اور ان کا یہ دعویٰ برحق ہے یا (سیدنا) محمد ﷺ تبلیغ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچانے میں صادق ہیں اور کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا، آپ کی رسالت کا اور قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور کفر کر رہے ہیں تو ان کا یہ انکار محض تکبر اور عناد کی وجہ سے ہے

ان کا گمان یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بناتا تو اس شخص کو بناتا جو بہت امیر و کبیر ہوتا۔ جس کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی، اس کے بہت نوکر چاکر ہوتے اور اس کا بہت بڑا جتھا ہوتا اور سیدنا محمد ﷺ کے پاس یہ ظاہری جاہ و حشم اور بہت سرمایہ نہیں تھا جب کہ وہ سرمایہ دار اور سردار تھے، اس لئے وہ اپنے زعم فاسد میں آپ کو کمتر اور حقیر سمجھتے تھے اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کا کلمہ پڑھنا اور آپ کی اطاعت کرنا اپنی بڑائی اور اپنی امارت و ریاست کے خلاف سمجھتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نجات کا نہ تھا۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ کافر قوموں پر دنیا میں عذاب نازل فرمایا تو وہ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لئے چیخے چلائے اور انہوں نے بلند آواز کے ساتھ نداء کی، انہوں نے نداء میں کیا کہا یہ اس آیت میں نہیں بیان فرمایا، مفسرین نے اس کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں، انہوں نے نداء کرتے ہوئے کہا:

۱) انہوں نے فریاد کی کہ ان سے یہ عذاب دور کر دیا جائے۔

۲) جب انہوں نے عذاب دیکھا تو انہوں نے بہ آواز بلند اپنے کفر، شرک اور تکبر سے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے۔

۳) وہ اپنے غم اور اندوہ کو ظاہر کرنے کے لئے اور درد اور بے چینی کی وجہ سے محض چیخ و پکار کر رہے تھے، جیسا کہ درد اور بے چینی میں مبتلا شخص اس طرح کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ یعنی یہ وقت عذاب سے فرار اور نجات کا نہ تھا۔ (تفسیر تبیان القرآن للسعیدی)

خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس آیت میں لات، لا **المشبهة بليس** ہے اور اس میں تا زائدہ ہے اور اس تا کو زیادہ کرنے کی وجہ سے اس میں دو خصوصی حکم آ گئے، ایک یہ کہ لات صرف ان اسماء پر داخل ہو گا جن میں احیان اور اوقات کا معنیٰ ہو، جیسے مناص کا معنیٰ مدد کا وقت ہے یا نجات کا وقت ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ویسے تو لا المشبهه بليس دو جزؤں یعنی اسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے لیکن لات صرف ایک جز پر داخل ہو گا، صرف اسم پر یا صرف خبر پر جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

اخفش نے کہا: لات میں لا نفی جنس کا ہے اور اس پر تا کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ نفی احیان اور اوقات کی نفی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس آیت کا معنی ہے اور یہ ان کی نجات کا وقت نہ تھا اور مناص کا معنی ہے نجات اور مدد کی جگہ۔ (تفسیر کبیر ۹ / ۳۶۷ ۳۶۶)

حسن بصریؒ نے کہا: انہوں نے توبہ کے ساتھ نداء کی اور یہ وقت توبہ کے قبول ہونے کا نہ تھا کیونکہ عذاب آنے کے بعد عمل نفع نہیں دیتا۔

قشیریؒ نے کہا: جس چیز کی وہ نداء کر رہے تھے، وہ وقت اس کی نداء کا نہ تھا، ہر چند کہ انسان اسی وقت چیخ و پکار اور فریاد کرتا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے لیکن یہ وقت اس مصیبت سے نجات کا نہ تھا۔

جرجانی اور افراء نے کہا: انہوں نے ایسے وقت میں عذاب سے فرار اور نجات کو طلب کیا جب عذاب سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی قسم کھائی ہے، جو ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جو لوگوں کی نصیحتوں کے لیے ہیں، جن سے لوگ غافل ہیں، لیکن تکبر کرنے والے کافر لوگ ان کے مخالف ہیں، اللہ تعالیٰ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے ان مشرکین سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا ہے، پھر انہوں نے عذاب آنے کے وقت فریادیں کیں، توبہ توبہ کی آوازیں لگائیں حالانکہ نزول عذاب کے وقت توبہ قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی یہ قبولیت توبہ کا وقت ہوتا ہے، اور نہ ہی فرار کا وقت ہوتا ہے اور نہ ہی اس چیز سے خلاصی کا وقت ہوتا ہے جو انہیں پہنچ رہی ہوتی ہے۔

دنیا میں ہی نامۂ اعمال دینے کا احمقانہ مطالبہ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت مبارکہ میں قِطَّنَا کا کیا معنٰی ہے؟ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ{١٦}ص.

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہمیں دے دیجیے۔

حضراتِ مفسرین کرامؒ نے اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے جب یہ سنا کہ قیامت کے دن دائیں اور بائیں ہاتھ

میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور جو لوگ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ جنت میں جائیں گے۔ ان کو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی۔

تو مسخراپن سے وہ مشرک یہ کہتے تھے۔ کہ وہ جنت کی نعمتیں دنیا میں ہی ہم آنکھوں سے دیکھ لیں تو شاید ہم کو کچھ یقین آئے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور فرمادیا کہ اے رسول اللہ کے ان نادانوں کی ایسی باتوں پر صبر کرنا چاہئے۔ وقت پر اپنے کئے کو خود یہ لوگ بھگت لیں گے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ کے قول کے موافق آیت کا وہی مطلب ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ وہ لوگ مسخراپن سے سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال کا آجانا۔ اور اس کے ذریعہ سے جنت کی نعمتوں کو یا الٹے ہاتھ میں نامہ اعمال آکر دوزخ کے عذاب کو دنیا میں ہی دیکھ لینا چاہتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے مسخراپن پر صبر کیا جائے۔

صحیح سند سے ترمذی ابن ماجہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زبان کو انگلیوں میں پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ زبان بھی آدمی کے حق میں بڑے خوف کی چیز ہے۔

اس حدیث کو آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ بت پرستی کے وبال کے علاوہ مشرکین مکہ اس وبال میں بھی قیامت کے دن پکڑے جائیں گے۔ کہ مسخراپن کے طور پر ایسی باتیں منہ سے نکالتے تھے جس کا ذکر آیت کے اس ٹکڑے میں ہے۔ (در منثور، جامع ترمذی)

یہ مطالبہ عذاب کے معاملے میں ان کی رعونت کا بیان ہے کہ یہ پیغمبر ﷺ کی تکذیب کے جوش میں یہاں تک کہہ گزرے کہ اے رب! اگر یہ شخص اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ ہم نے اس کی تکذیب کی تو ہم پر کوئی عذاب آجائے گا تو وہ عذاب قیامت

سے پہلے ہی ہم پر آجائے تاکہ اس کی سچائی ثابت ہو جائے۔ اگر یہ سچا ہے اور (نعوذ باللہ) اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اگر یہ جھوٹا ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ قریش کے اس مطالبہ کا ذکر سورۃ انفال میں بھی بدیں الفاظ گزر چکا ہے۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۲)الانفال

اور جب کہ انہوں نے کہا، اے اللہ، اگر یہی حق ہو تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل کر۔ (تدبر قرآن)

قِطَّنَا قط اصل میں اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی کو انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہو۔ پھر یہ لفظ مطلق حصہ کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں کہ آخرت کی جزا و سزا سے جو کچھ ہمیں حصہ ملنا ہے وہ یہاں دلوا دیجئے۔

قط اس صحیفہ کو کہا جاتا ہے جس میں سب کچھ شمار کر دیا گیا ہو۔ کلبی کا بیان ہے کہ جب سورۃ الحاقہ نازل ہوئی،

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ (۱۹)الحاقہ
وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَالَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ (۲۵)

تو مکہ کے کافروں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، اے ہمارے رب ہمارا لکھا ہوا تو ابھی دے دے۔

حضرت سعید بن جبیر تابعیؒ نے کہا کہ کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد ﷺ جس جنت کا ذکر فرماتے ہیں، اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت

سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت داؤد پر کیا فضل فرمایا؟ وہ بیان کیجیے۔

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضل فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ان کے تابع فرمان کر دیا تھا، جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے

تو وہ پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے، یہ کام دن کے ابتدائی حصہ میں بھی ہوتا تھا اور دن کے آخری حصہ میں بھی ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی، ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو قوت دی تھی، ان کا رعب اور دبدبہ تھا، ان کی ہیبت اور شان و شوکت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، بات کرنے کا سلیقہ اور انداز عطا فرمایا تھا، حکمت بھری گفتگو کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

قرآن کریم میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تسلی دی اور داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کی ترغیب دی، حالانکہ ہمارے نبی ﷺ ساری کائنات کے سردار ہیں، آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کا سردار بنایا، آپ ﷺ کو قرآن کریم نے دوسرے مقام پر خاتم النبیین قرار دیا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف توجہ دلائی، ہمارے خیال میں یہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ رحمت دوجہاں ﷺ کی توجہ ان کی طرف دلائی گئی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے کچھ فضائل کا یوں ذکر فرمایا ہے

اصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ{۱۷} إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ{۱۸} وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ{۱۹} وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ{۲۰}ص

(اے پیغمبر) یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو، اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑے طاقتور تھے۔ وہ بیشک اللہ سے بہت لو لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو بھی، جنہیں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ یہ سب ان کے ساتھ ملکر اللہ کا خوب ذکر کرتے تھے۔ اور ہم نے اس کی حکومت کو خوب مضبوط کیا تھا اور ہم نے اسے حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بھی۔

حضرات مفسرین کرامؒ نے نہایت عرق ریزی اور محنت سے یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا ہے

مکہ کے رہنے والے کفار ایسی سخت اور تکلیف دہ باتیں کرتے تھے جس کے باعث نبی کریم ﷺ رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حضرت داؤد کے تذکرے کے ساتھ تسلی دی کہ اگر مکہ کے رہنے والے کفار آپ ﷺ کے منکر ہیں، تو پرواہ کی ضرورت نہیں ہے، آپ ﷺ کو کس چیز کی کمی ہے، یہ لوگ مال و دولت کی کمی اور فقر و مستی کے باعث آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے اور آپ ﷺ کے ساتھ مزاح کرتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے ہم نے جن لوگوں کو نبوت کے عظیم منصب سے نوازا تھا ان میں حضرت داؤد کو دیکھیے کہ ان کے پاس بہت بڑی سلطنت تھی، عظیم الشان بادشاہ تھے، اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے بھی وہ غم و رنج سے محفوظ نہ رہے، تو بادشاہی کا مل جانا، سلطنت کا قدموں تلے آجانا تخت شاہی کا بچھ جانا غموں کو دور کرنے کا سبب نہیں ہے، اس لیے ان کے مطاعن کی پرواہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا بندہ قرار دیا، داؤد کی بندگی کی نسبت جو اللہ نے اپنی طرف کی ہے یہ ان کے اعزاز اور افتخار میں اضافہ کر رہی ہے، جس

طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی مقامات پر سرور دوجہاں حضرت نبی کریم ﷺ کی بندگی کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس سے ان کی عظمت کو چار چاند لگانا مقصود ہے۔

رب تعالیٰ نے معاندین اسلام اور مخالفین قرآن کریم کو چیلنج دیتے وقت نبی کریم ﷺ کے لیے فرمایا کہ اگر تمھیں اس کتاب میں شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری تو تم اس جیسی کوئی سورت لے آؤ۔

سورۃ الفرقان میں فرمایا کہ وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے بندے پر حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب اتاری ہے۔

واقعہ معراج کے بیان میں سورۃ الاسراء کی ابتدائی آیت میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنا بندہ قرار دیا۔

رب رب ہے، وہ عرش وفرش، لوح وقلم اور کرسی کا رب ہے، وہ زمین وآسمان کا رب ہے، وہ جہانوں کا رب ہے، وہ ساری کائنات کا نہ صرف یکے وتنہا مالک ومختار ہے بلکہ رب بھی ہے، مگر کیا عجیب بات ہے کہ اسے نہ مالک عرش وفرش ہونے پر ناز ہے، نہ رب کرسی وقلم ہونے پر ناز ہے، نہ اسے کل جہاں کے مالک ومختار ہونے پر ناز ہے اسے اگر ناز ہے تو اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے رب ہونے پر ناز ہے، قرآن کریم میں ایک مقام پر ایسا شاندار جملہ فرمایا کہ تیرے رب کی قسم! حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کا رب ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ہی اپنے کو جہانوں کا رب فرمایا، مگر جہاں جہاں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنا بندہ فرمایا وہاں انداز ہی بہت عجیب ہے۔

حضرت داؤد کی قوت وطاقت کو اللہ نے ذالاید کے لفظ میں بیان فرمایا کہ وہ طاقتور شخص تھے، حدیث شریف میں ان کی عبادت کا تذکرہ ملتا ہے کہ وہ
وہ عبادت کو انجام دینے سے اور گناہوں سے باز رہنے میں بہت طاقت ور تھے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کو عبادت کی قوت اور دین کی فقہ عطا کی گئی تھی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ

أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَأَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى اللَّهِ صَلاَةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ(بخاری باب احب الصلاۃ الی اللّٰہ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد (علیہ السلام) کے روزے تھے، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد (علیہ السلام) کی نماز تھی، وہ نصف رات تک سوتے پھر تہائی رات قیام کرتے تھے، پھر رات کے بقیہ چھٹے حصے میں سوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے انہیں اواب قرار دیا، اواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے، وہ اپنی ضروریات، اپنی حاجات، اپنی مہمات میں اور اپنے تمام امور میں اپنے پیدا کرنے والے رب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی ایک فضیلت قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی کہ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح کریں، پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں حیات، عقل، قدرت اور نطق کو پیدا کر دیا تھا اور اس وقت وہ پہاڑ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جس طرح زندہ اور عقل والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی، ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت کا اثر بھی رکھا ہے اور نطق اور تسبیح کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے، پہاڑوں میں محبت کی کیفیت رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حضرت داؤد (علیہ السلام) کے لئے مسخر کر دیا تھا، جہاں حضرت داؤد علیہ السلام جاتے تھے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ جاتے تھے اور پہاڑوں کا حضرت داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ چلنا ان کی تسبیح قرار دیا گیا کیونکہ پہاڑوں کا حضرت داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

اس آیت میں حضرت داؤد (علیہ السلام) کی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ **العشی** یعنی شام کے وقت اور الاشراق یعنی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ پہاڑ اور پرندے سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) جب تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس سے پہلے جو فرمایا تھا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں اور جمع شدہ پرندے بھی، پہلے جملے میں اور اس جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے سے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں، لیکن اس جملے سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح پڑھتے ہیں اور جب جملہ اسمیہ کے ساتھ فرمایا: ” کل لہ اواب “ سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو معلوم ہوا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ ہمیشہ تسبیح کرتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

مذکورالصدر تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ " کل لہ " میں ضمیر حضرت داؤد (علیہ السلام) کی طرف لوٹ رہی ہو اور اگر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہو گا: حضرت داؤد (علیہ السلام)، پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف لوٹنے والے اور اس کی تسبیح کرنے والے تھے۔(تفسیر تبیان القرآن)

جب حضرت داؤد کی آواز پہاڑوں تک پہنچتی تو وہ ان کی آواز کی لذت سے جھومنے لگتے اور جب پرندے ان کی آواز سنتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سُر ملانے لگتے۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد (علیہ السلام) کی تسبیح کے ساتھ اس لئے تسبیح کرتے تھے تاکہ ان کی تسبیحات کا اجر وثواب بھی حضرت داؤد (علیہ السلام) کو مل جائے، حضرت داؤد (علیہ السلام) جب حمد اور تسبیح کے معنیٰ میں بہت غور کرتے تھے تو وہ حمد اور تسبیح آپ کے اعضاء میں سرایت کر جاتی تھی، کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے، پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی، کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے، پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی، اس وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی تسبیح کا فائدہ بھی آپ کی طرف لوٹتا تھا، شام کے وقت اور دن چڑھنے کے وقت اس تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار اور اس کی برکت کے آثار بہت عظیم ہوتے ہیں کیونکہ جو مقربین اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق اور مخمور ہوتے ہیں وہ اس وقت اپنے استغراق اور خمار سے باہر آجاتے ہیں اور شام کے وقت میں نماز پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات کرتے ہیں۔(تبیان القرآن)

داؤد (علیہ السلام) کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَشَدَدْنَا مُلْكَہٗ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا ۔ان کی سلطنت کو مضبوط کرنے کا ایک محمل یہ ہے کہ چار ہزار آدمیوں کا لشکر دن رات ان کی سلطنت کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) جن مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ان کی وجہ سے تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔

علامہ ابن القیم جوزیؒ نے اپنی تفسیر زاد المسیر میں بیان فرمایا کہ

حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو مضبوط کرنے کے فرمان میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ ان کے لیے پہرے دار اور لشکر مقرر فرمائے تھے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر رات چھتیس ہزار مرد ان کی پہرہ داری کرتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ان کے ایک بڑے آدمی پر کوئی زیادتی کی، پھر وہ دونوں حضرت داؤد (علیہ السلام) کے سامنے پیش ہوئے، جس نے زیادتی کی تھی اس نے اپنے فریق مخالف کے متعلق کہا: اس شخص نے میری ایک گائے غصب کر لی ہے، حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا انکار کیا، پھر آپ نے مدعی سے کہا: تم گواہ پیش کرو، اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا، پھر حضرت داؤد نے ان دونوں سے کہا: ابھی تم چلے جاؤ، میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا، وہ دونوں چلے گئے۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ وحی کی کہ جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے سوچا: یہ تو خواب ہے، میں اس معاملہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو خواب میں وحی کی کہ اس شخص کو قتل کر دیں، پھر

اللہ تعالیٰ نے تیسری بار ان کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہو گا۔

پھر حضرت داؤد نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں۔ اس شخص کہا: آپ مجھے بغیر گواہ کے اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کر دیں گے؟

حضرت داؤد نے فرمایا: ہاں! میں تم میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا، جب اس شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد اس کو قتل کر دیں گے، تب اس شخص نے کہا: آپ عجلت نہ کریں حتیٰ کہ میں آپ کو اصل واقعہ کی خبر دے دوں، بیشک اللہ کی قسم! میں نے اس معاملہ میں کوئی جرم نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے میں گرفت میں آیا ہوں، بلکہ میں نے اس شخص کے والد کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا، سو اس وجہ سے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پھر حضرت داؤد (علیہ السلام) کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے: وشددنا ملکہ۔ (جامع البیان ، تفسیر تبیان القرآن)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور یہ قید نہیں لگائی کہ ان سلطنت کو لشکر سے مضبوط کیا ہے اور نہ یہ قید لگائی ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کی ہیبت طاری کر کے ان کے لشکر کو مضبوط کیا ہے، اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔ (جامع البیان ۲۳ / ۱۶۵، تبیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک فضیلت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واتیناہ الحکمۃ** ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: قرآن کی حکمت ہے: حلال اور حرام کو جاننا۔ ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علوم شریعت اور طریقت کو حکمت کہتے ہیں۔

حضرات مفسرین کرامؒ نے حکمت کے کئی محامل بیان کیے ہیں
ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمت یہ ہے کہ علم کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے۔

دوسرا حکمت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان اپنی طاقت کے مطابق اس چیز کو حاصل کرے جو نفس الامر اور واقع میں برحق ہو۔
تیسرا حکمت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔
حکمت کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔
پانچواں مفہوم حکمت کا یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔
حکمت کا چھٹا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا انجام قابل تعریف ہو وہ حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان وفضیلت بیان کرتے ہوئے ان کو دیا گیا فصل الخطاب کا ذکر فرمایا ہے، فصل الخطاب کے بارے میں حضرات مفسرین کرامؒ نے کئی مطالب بیان فرمائے ہیں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب یہ ہے کہ جو بات ان کے دل میں آتی تھی اور جو بات ان کے خیال میں گزرتی تھی اس کی تعبیر وبیان پر قدرت رکھتے تھے، کوئی چیز کسی چیز کے ساتھ خلط ملط اور گڈ مڈ نہیں کرتے تھے، بات کرتے تھے تو ہر چیز جدا جدا الگ الگ صاف صاف سمجھ میں آتی تھی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دس فضائل ومناقب بیان فرمائے ان میں سے دسویں اور آخری فضیلت یہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب کا مطلب ہے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب سے مراد یہ ہے کہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کرنا اور مدعیٰ علیہ پر قسم لازم کرنا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب سے مراد یہ ہے کہ خطبہ کے بعد امابعد کہنا اور سب سے پہلے خطبہ میں امابعد کے الفاظ حضرات داؤد علیہ السلام ہی نے استعمال کیے تھے۔(تفسیر زادالمسیر لابن القیم الجوزی)

صاحب النکت والعیون فرماتے ہیں کہ سیاق وسباق کے درمیان فرق کرنے کا نام فصل الخطاب ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں

حکمت سے مراد ہے نبوت اور کمال علم اور پختہ علم، ایک قول ہے: اس سے مراد زبور ہے اور علم الشرائع اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حکمت کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

اور فصل خطاب سے مراد ہے دو فریقوں کے درمیان حق کو باطل سے متمیز اور ممتاز کر دینا، یا اس سے مراد وہ کلام ہے جو صحیح اور فاسد کے درمیان فارق اور فیصلہ کن ہو اور یہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کا وہ کلام ہے جو وہ مقدمات کے فیصلوں اور سلطنت کی تدبیروں اور مشوروں کے متعلق کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا کلام ہو جو متوسط ہو، نہ اس قدر مختصر ہو کہ اس سے اصل مراد واضح نہ ہو اور نہ اس قدر طویل ہو جس سے مخاطب اکتا جائے اور ملول خاطر ہو۔

امام ابن ابی حاتمؒ اور دیلمیؒ نے حضرت موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد امابعد کے کلمات ہیں اور سب سے پہلے حضرت داؤد نے یہ کلمات کہے تھے، امابعد کے کلمات حمد اور صلوٰۃ یا اللہ عزوجل کے ذکر کے بعد کہے جاتے اور ان کا معنٰی یہ

ہوتا ہے کہ حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے یا حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور اما بعد سے مراد یہ مخصوص کلمات نہیں ہیں، کیونکہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور حضرت داؤد (علیہ السلام) خود عرب تھے نہ عربوں کے نبی تھے اور نہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے تھے۔ بلکہ اس سے مراد ان کی زبان کے وہ کلمات ہیں جو " امابعد " کا مفہوم ادا کرتے ہوں اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا خطاب ہے جو کسی مقدمہ کے فریقین کے درمیان حق کو باطل سے اور صواب کو خطاء سے اور صحیح کو غلط سے متمیز اور ممتاز کر دے اور یہ بہت زیادہ علم اور فہم اور افہام اور تفہیم کی خداداد صلاحیت پر موقوف ہے۔(روح المعانی ۲۳ / ۲۶۰،۲۶۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش

سوال حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب کی دیوار پھاند کر دو مخالفین کا واقعہ کیا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو مطلع فرمارہے ہیں کہ اے میرے حبیب! کیا آپ کو ان دو متخاصمین کی خبر پہنچی ہے جنہوں نے داؤد علیہ السلام کی جائے عبادت کی دیوار پھلانگی تھی؟ جب وہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت داؤد علیہ السلام گھبرا گئے، تو ان متخاصمین نے حضرت داؤد سے کہا کہ آپ گھبرایئے نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کے متخاصم ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے، اس لیے آپ ہمارے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے، فیصلے میں ہمارے اوپر ظلم نہ کیجیے، درست راستے کی طرف ہماری راہنمائی کیجیے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، جب کہ میرے پاس تو صرف ایک ہی دنبی ہے، میرا یہ ننانوے دنبیوں والا بھائی طمع رکھتا ہے کہ وہ میری ایک دنبی بھی لے لے، اس نے اسے کہا کہ وہ دنبی بھی مجھے دے دے، دلیل میں بھی اس نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے اس بھائی نے تجھ پر ظلم کیا ہے جس نے اپنی ننانوے دنبیوں کے ساتھ تیری یہ دنبی بھی ملانے کا سوال کیا ہے، اور بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، ایک دوسرے کا حق لینا چاہتا ہے، مگر نیکوکار لوگ ایسا نہیں کرتے، یہ لوگ تھوڑے ہی ہیں، اس لیے ان لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اس بات کا خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خصومت اور جھگڑے کے باعث انہیں امتحان میں ڈالا ہے، اس کے بعد وہ اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور سجدہ ریز ہو گئے، تا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ملے، انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پروانہ عفو و درگزر عطا کیا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں یوں ذکر فرمایا ہے

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ{۲۱} إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ{۲۲} إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ{۲۳} قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيراً مِّنْ الْخُلَطَاء لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعاً وَأَنَابَ{۲۴} فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَى وَحُسْنَ مَآبٍ{۲۵} يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ {۲۶}ص.

اور کیا تمہیں ان مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پر چڑھ کر عبادت گاہ میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو داؤد ان سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا ڈریے

نہیں، ہم ایک جھگڑے کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجیے اور زیادتی نہ کیجیے، اور ہمیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتا دیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرو، اور اس نے زور بیان سے مجھے دبا لیا ہے۔ داؤد نے کہا: اس نے اپنی دنبیوں میں شامل کرنے کے لیے تمہاری دنبی کا جو مطالبہ کیا ہے اس میں یقیناً تم پر ظلم کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے درمیان شرکت ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اور وہ بہت کم ہیں۔

اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل ان کی آزمائش کی ہے، اس لیے انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے اور اللہ سے لو لگائی۔ چنانچہ ہم نے اس معاملہ میں انہیں معافی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے اور بہترین ٹھکانا۔ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

ان آیتوں میں باری تعالیٰ نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت گاہ میں دو فریقوں کو جھگڑتے ہوئے بھیج کر ان کا کوئی امتحان کیا تھا۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اس امتحان پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی۔ (معارف القرآن)

قرآن کریم کا اصل مقصد چونکہ یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت داوٗد (علیہ السلام) اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور کبھی ذرا سی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً استغفار کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس لئے یہاں یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ امتحان کیا تھا؟ حضرت داوٗد (علیہ السلام) سے وہ کونسی لغزش ہوئی تھی جس سے انہوں نے استغفار کیا؟ اور جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

اسی لئے بعض محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش اور امتحان کی تفصیل کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، اس لئے ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ اور جتنی بات قرآن کریم میں مذکور ہے، صرف اسی بات پر ایمان رکھنا چاہئے۔ (معارف)

حافظ ابن کثیرؒ جیسے محقق مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے کہ اَبھمُوا مَا اَبھمَہُ اللّٰہُ، یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اس کو مبہم رہنے دو۔ اسی میں حکمت و مصلحت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہو اس ابہام کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے رفع کر دیا ہے۔

البتہ دوسرے مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان اور آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داوٗد (علیہ السلام) کی نظر ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی۔ جس سے ان کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور انہوں نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے اسے خطرناک ترین مشن سونپ دیا جس میں وہ شہید

ہو گیا اور بعد میں آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس عمل پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایت بلاشبہ ان خرافات میں سے ہے جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں بھی پھیل گئی تھیں۔ یہ روایت دراصل بائبل کی کتاب سموئیل دوم باب نمبر ۱۱ سے ماخوذ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد (علیہ السلام) پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ اوریا کی بیوی سے نکاح سے قبل ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اور ان تفسیری روایتوں میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس اسرائیلی روایت کو دیکھا اور اس میں سے زنا کے قصے کو نکال کر اسے قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں پر چسپاں کر دیا۔ حالانکہ یہ کتاب سموئیل ہی سرے سے بے اصل ہے اور یہ روایت قطعی کذب وافتراء کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام محقق مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ علامہ ابن جوزیؒ، قاضی ابو السعودؒ، قاضی بیضاویؒ، قاضی عیاضؒ، امام رازیؒ، علامہ ابو حیان اندلسیؒ، خازنؒ، زمخشری، ابن حزمؒ، علامہ خفاجیؒ، ابو تمام اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے بھی اسے کذب وافتراء قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

بعض مفسرینؒ نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کا اتباع واجب ہو، صرف ابن ابی حاتمؒ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

غرض بہت سے دلائل کی روشنی میں جن کی کچھ تفصیل امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور ابن جوزیؒ کی زاد المسیر وغیرہ میں موجود ہے، یہ روایت تو اس آیت کی تفسیر میں قطعاً خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے، اور طرز مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد (علیہ السلام) کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں، اس انداز کی گستاخی کی بناء پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے الٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آکر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد (علیہ السلام) اس امتحان میں پورا اترے، لیکن اتنی سی فروگذاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا۔ جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً متنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ بعض مفسرینؒ نے لغزش کی یہ تشریح کی ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) نے مدعا علیہ کو خاموش دیکھا تو اس کا بیان سنے بغیر صرف مدعی کی بات سن کر اپنی نصیحت میں ایسی باتیں فرمائیں جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی، حالانکہ پہلے مدعا علیہ سے پوچھنا چاہئے تھا کہ اس کا موقف کیا ہے؟ حضرت داؤد (علیہ السلام) کا یہ ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور ابھی تک مقدمہ کے فیصلے کی نوبت نہیں آئی تھی، تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں تھا۔ اسی بات پر آپ بعد میں متنبہ ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔ (روح المعانی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اپنا نظم اوقات ایسا بنایا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت، ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتا تھا، ایک روز انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی

گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح وذکر میں مشغول نہ ہو، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد! یہ سب کچھ میری توفیق سے ہے، اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے، اور ایک دن میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔

اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ وقت حضرت داؤد (علیہ السلام) کے مشغول عبادت ہونے کا تھا۔ اس ناگہانی قضیہ سے ان کے اوقات کا نظام مختل ہو گیا حضرت داؤد (علیہ السلام) جھگڑا چکانے میں مشغول ہو گئے، آل داؤد (علیہ السلام) کا کوئی اور فرد بھی اس وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف نہ تھا۔ اس سے حضرت داؤد (علیہ السلام) کو تنبہ ہوا کہ وہ فخریہ کلمہ جو زبان سے نکل گیا تھا، یہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے استغفار فرمایا اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن عباس کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔ (احکام القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترکہ طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں، بلکہ حقیقی تھا اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد (علیہ السلام) کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے برخلاف بہت سے مفسرین نے اس کی ایسی تشریح فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مقدمہ کے یہ فریقین انسان نہیں، بلکہ فرشتے تھے، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایسی فرضی صورت مقدمہ پیش کریں جس سے حضرت داؤد (علیہ السلام) کو اپنی لغزش پر تنبہ ہو جائے۔

چنانچہ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا وہ قصہ تو غلط ہے، لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی شخص سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ "تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مجھ سے کر دو" اس زمانے میں اس فرمائش کا عام رواج بھی تھا۔ اور یہ بات خلاف

مروت بھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اسی بنا پر اوریا سے یہی فرمائش کی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو فرشتے بھیج کر آپ کو تنبیہ فرمائی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہوا تھا، حضرت داؤد (علیہ السلام) نے بھی اسی عورت کو اپنا پیغام دے دیا، اس سے اوریا کو بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کے لئے یہ دو فرشتے بھیجے اور ایک لطیف پیرایہ میں اس لغزش پر تنبیہ فرمائی۔(بحوالہ معارف القرآن)

قاضی ابویعلیٰؒ نے اس توجیہ پر قرآن کریم کے الفاظ وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ، سے استدلال فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ محض خِطبہ (منگنی) کے سلسلہ میں بھی آیا تھا۔ اور ابھی حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اس سے نکاح نہیں فرمایا تھا۔ (زادالمسیر لابن الجوزی۔۷/۱۱۶)

اکثر مفسرین نے ان آخری دو تشریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کی تائید بعض آثار صحابہؓ سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی، تفسیر ابی السعود، تفسیر کبیر وغیرہ)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آزمائش اور لغزش کی تفصیل نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ کسی صحیح حدیث سے۔ اس لئے اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اوریا کو قتل کروانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ غلط ہے، لیکن اصل واقعہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا سلامتی کی راہ وہی ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کی کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے، ہم اپنے قیاسات اور اندازوں کے ذریعہ اس کی تفصیل کی کوشش نہ کریں۔ جبکہ اس سے ہمارے کسی عمل کا تعلق نہیں۔ اس ابہام میں بھی یقیناً کوئی حکمت ہے۔ لہٰذا صرف اتنے واقعہ پر ایمان رکھا جائے جو قرآن کریم میں مذکور ہے، باقی تفصیلات کو اللہ کے

حوالے کیا جائے۔ البتہ اس واقعہ سے متعدد عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں زیادہ توجہ ان کی طرف دینی چاہئے

اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۔ (جب وہ محراب کی دیوار پھاند کر داخل ہوئے) محراب دراصل بالاخانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ کو کہا جانے لگا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آج کل معروف ہیں، یہ عہد نبوی میں موجود نہیں تھیں (روح المعانی،بحوالہ معارف القرآن

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش سے متعلق ذکر ہے عبد بن حمیدؒ نے کعبؓ سے روایت کیا کہ اللہ کے نبی داؤد (علیہ السلام) نے چالیس دن سجدہ کیا اور چالیس راتیں اپنے سر کو نہیں اٹھایا یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں بند اور خشک ہوگئے آپ نے جب آخری دعا کی اس وقت بھی آپ سجدہ میں تھے عرض کیا اے میرے رب! مجھے عافیت عطا فرمایئے جبکہ میں نے آپ سے آزمائش کا سوال کیا تھا جب آپ نے مجھے آزمائش میں ڈالا تو میں نے صبر نہ کیا اگر آپ مجھے عذاب دیں تو میں اس کا اہل ہوں اگر آپ میری مغفرت فرمائیں تو آپ اس کے اہل ہیں۔

اور اچانک جبریل (علیہ السلام) ان کے سر کے پاس کھڑے تھے فرمایا: اے داؤد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی ہے اپنا سر اٹھایئے مگر انہوں نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اپنے رب سے مناجات کرتے رہے، سجدے کی حالت میں عرض کیا، اے میرے رب! آپ نے کس طرح میری مغفرت فرمادی جبکہ آپ تو انصاف کرنے والے

ہیں، فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا میں تجھ کو اوریا کی طرف بھیج دوں گا پھر میں تجھے اس سے مانگ لوں گا تو وہ تجھ کو مجھے ہبہ کر دے گا تو میں اس کے بدلہ میں جنت دوں گا۔

عرض کیا، اے میرے رب! اب میں نے جان لیا کہ آپ نے واقعی میری مغفرت فرما دی آپ نے اپنے سر کو اٹھایا تو وہ خشک ہو چکا تھا اس کے اٹھانے کی آپ میں طاقت نہ تھی۔ جبرئیل (علیہ السلام) نے ان کے بعض بالوں کو چھوا تو وہ پھیل گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی: اے داؤد! میں نے تیرے لئے اوریا کی عورت حلال کر دی ہے تو آپ نے اس سے شادی کر لی تو سلیمان (علیہ السلام) پیدا ہوئے پھر اس عورت کے ہاں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی ولادت ہوئی۔

کعبؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم داؤد (علیہ السلام) اس کے بعد گرم دن میں روزہ رکھتے تھے پانی کو اپنے منہ کے قریب کرتے تو اپنی غلطی یاد آجاتی تو آپ کے آنسو پانی میں گرتے تو آپ اسے بہا دیتے پھر اسے واپس کر دیتے اور نہ پیتے۔ (در منثور)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا واقعہ

سوال عمدہ گھوڑوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ کیا ہے؟

جواب قرآن کریم بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا، اللہ نے سلیمان کے ذریعے داؤد علیہ السلام پر انعام کیا، سلیمان علیہ السلام کے ذریعے داؤد علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا گیا، پھر ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اچھے بندے تھے، وہ اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے، توجہ الی اللہ کرنے والے تھے، اس لیے ان کا ذکر کیجیے جب ان کے سامنے تیز رفتار عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے، جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے اور چوتھی ٹانگ اوپر اٹھائے ہوئے تھے، ان گھوڑوں کا یہ انداز عصر سے لے کر غروب آفتاب رہتا

تھا، تفاسیر میں کہیں ان گھوڑوں کی تعداد بیس لکھی ہوئی ہے اور کہیں بیس ہزار لکھی ہوئی ہے، انہیں گھوڑوں کے بارے میں یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ{۳۰} إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ{۳۱} فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ{۳۲} رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحاً بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ{۳۳} ص.

اور ہم نے داوٗد کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ (وہ ایک یادگار وقت تھا) جب ان کے سامنے شام کے وقت اچھی نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو انہوں نے کہا: میں نے اس دولت کی محبت اپنے پروردگار کی یاد ہی کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ (اس پر انہوں نے کہا) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ، چنانچہ وہ (ان کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

جب اللہ تعالیٰ نے داوٗد (علیہ السلام) کو سلیمان عطا فرمایا تو داوٗد (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا اے میرے بیٹے! سب سے اچھی چیز کیا ہے؟

عرض کیا: اللہ کا سکینہ اور ایمان۔

پھر پوچھا: کون سی چیز سب سے زیادہ بری ہے؟

عرض کیا: ایمان کے بعد کفر) اختیار کرنا)

پھر پوچھا: سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟

فرمایا: اللہ کی رحمت اس کے بندوں کے درمیان۔

پھر پوچھا کونسی چیز زیادہ ٹھنڈی ہے (یعنی ٹھنڈک کا باعث ہے؟)

فرمایا: لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا معاف کرنا اور لوگوں کا ایک دوسرے کو معاف کرنا۔ داوٗد (علیہ السلام) نے فرمایا تو نبی ہے۔ (ابن ابی حاتم عن مکحول، تفسیر در منثور)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے داؤد (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ میں تیرے بیٹے سے سات باتوں کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں اگر اس نے تجھ کو بتادیا تو اس کو علم اور نبوت کا وارث بنادوں گا۔ داؤد (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں تجھ سے سات چیزوں کے بارے میں سوال کروں، اگر تو نے مجھے بتادیا تو میں تجھ کو علم اور نبوت کا وارث بنادوں گا۔

عرض کیا: مجھ سے سوال کرو جو چاہو۔

داؤد نے پوچھا: مجھے بتاؤ شہد سے کونسی چیز (زیادہ) میٹھی ہے؟ اور کون سے چیز برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے؟ اور کونسی چیز ریشم سے زیادہ نرم ہے؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر پانی میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر صفاء (یعنی ملائم پتھر) میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر آسمان میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ او جو چیز موٹا کرے سرسبز اور خشک سالی میں؟

سلیمان (علیہ السلام) نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا: وہ چیز جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے وہ اللہ کی رحمت ہے ان دو آدمیوں کے لئے جو آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں، وہ چیز جو برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے وہ اللہ کا کلام ہے جب وہ کھٹکھٹائے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے دلوں کو، وہ چیز جو ریشم سے زیادہ نرم ہے وہ اللہ کی حکمت ہے جب اولیاء آپس میں اس کا ذکر کریں، وہ چیز جس کا اثر پانی میں نہیں دیکھا جاسکتا وہ کشتی ہے جو گذر جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں دیکھا جاسکتا، وہ چیز جس کا اثر چٹان پر دکھائی نہیں دیتا وہ چیونٹی ہے جو پتھر پر چلتی ہے اور اس کا اثر دکھائی نہیں دیتا، وہ چیز جس کا اثر آسمان میں دکھائی نہیں دیتا وہ پرندہ ہے جو اڑتا ہے اور اس کا اثر آسمان میں دکھائی نہیں دیتا اور وہ چیز جو موٹی ہوتی ہے خشک سالی

اور سرسبزی میں تو وہ مؤمن ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں تو وہ شکر کرتا ہے اور جب مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تو صبر کرتا ہے اس کا دل آلودگی سے پاک اور چمکدار ہے

فرمایا اپنے بیٹے کی طرف دیکھ اور اس سے چودہ چیزوں کے بارے میں سوال کر اگر وہ تجھ کو بتادے تو اس کو علم اور نبوت کا وارث بنا دے اس سے سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا مجھے پڑھانے والا کوئی نہیں۔

داؤد (علیہ السلام) نے فرمایا: مجھے بتاؤ اے میرے بیٹے! تیری عقل کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دماغ میں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا حیا کی جگہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں آنکھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا باطل کی جگہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں کان۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری غلطیوں کا دروازہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: زبان۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیرا راستہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں نتھنے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا ادب اور بیان کی جگہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں گردے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا تیری بد خلقی اور سخت کلامی کا دروازہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: جگر۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری ہوا کی جگہ کہاں ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: پھیپڑا۔

حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا: تیری خوشی کا دروازہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: تلی۔
حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا: تیری کمائی کا دروازہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں ہاتھ۔
حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا: تیرے کھڑے ہونے کا دروازہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں ٹانگیں۔
حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا شہوت کا دروازہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: شرم گاہ۔
حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا: تیری اولاد کا دروزاہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: ریڑھ کی ہڈی۔
حضرت داؤدعلیہ السلام نے پوچھا: علم اور فہم اور حکمت کا دروازہ کہاں ہے؟
حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دل، جب دل ٹھیک ہو تو سب اعضاء ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور جب دل بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ (حکیم ترمذی، در منثور)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

حضرت سلیمان (علیہ السلام) گھوڑوں کے معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کا وقت جو نماز پڑھنے کا معمول تھا وہ چھوٹ گیا، بعد میں متنبہ ہو کر آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

یہ نماز نفلی بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ انبیاء (علیہم السلام) اتنی غفلت کی بھی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض نماز ہو، اور معائنہ میں لگ کر بھول طاری ہو گئی ہو، بھول جانے کی صورت میں

فرض نماز کے قضا ہونے سے گناہ تو نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے اپنے بلند منصب کے پیش نظر اس کا بھی تدارک فرمایا۔(معارف القرآن)

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے گھوڑوں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں، جو ارباب تفسیر نے نقل فرمائے ہیں

مقاتل نے کہا: حضرت سلیمان (علیہ السلام) اپنے والد حضرت داؤد (علیہ السلام) کی طرف سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء(علیہم السلام) تو کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے، اس کا جواب یہ ہے کہ وارثت سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہزار گھوڑوں کے انتظام کے متولی تھے۔ حسن بصری، ضحاک، ابن زید اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پروں والے ایک سو گھوڑے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن ۱۵ / ۱۷۴)

پروں والے گھوڑوں کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے اور ان کے طاق (الماری) پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا کے جھونکے سے طاق پر پڑے ہوئے پردہ کی ایک جانب کھل گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی الماری میں رکھی ہوئی گڑیاں نظر آئیں،

آپ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ کیا ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اور آپ نے گڑیوں کے درمیان کپڑے کی دھجیوں سے بنائے ہوئے گھوڑے کو دیکھا جس کے دو پر بھی بنائے ہوئے تھے۔

آپ نے پوچھا: میں ان گڑیوں کے وسط میں کیا چیز دیکھ رہا ہوں؟

حضرت عائشہ نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔

آپ نے پوچھا: اس کے اوپر کیا چیز بنی ہوئی ہے؟
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اس کے دو پر ہیں۔
آپ نے پوچھا: گھوڑے کے پر ہیں؟
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے گھوڑوں کے پر تھے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: یہ سن کر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابو داؤد)

اس مقام پر حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کا ذکر ہے، گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی حضرات مفسرین کرامؒ نے یہ توجیہ کی ہے حضرت سلیمان نے کہا، بیشک میں نے خیر (نیک مال) کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ اس آیت میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر ہے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی گئی ہے۔ (بخاری، نسائی، مسلم)

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور گھوڑوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوتا ہے اس لیے میں گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔

قرآن کریم میں یہ ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا ایک گول میدان تھا جس میں وہ گھوڑوں کا مقابلہ کرایا کرتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے دور نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ سورج غائب ہو گیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، کیونکہ اس آیت میں پہلے سورج کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے، البتہ گھوڑوں کا ذکر ہے، اس لیے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے غائب اور اوجھل ہو گئے اور نحاس نے یہ ذکر کیا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس مال غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تاکہ وہ ان کا معائنہ کریں۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطبلوں میں پہنچا دیا جائے، حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔

اور جب حضرت سلیمان (علیہ السلام) نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ، پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان کے اکرام کے لیے تھا۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔ (الجامع الاحکام ۱۵/ ۷۵)

حضرات مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کی نماز قضاء ہو گئی، پھر اس کے غم اور غصہ میں آپ نے گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹ ڈالا۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے اور وہ ان کے معائنہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی اور ان کی لوگوں پر اس قدر ہیبت تھی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان کو عصر کی نماز یاد دلاتا، پس حضرت سلیمان (علیہ السلام) بھول گئے اور جب سورج غروب ہو گیا تو ان کو یاد آیا کہ انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی اور اس وقت انہوں نے یہ کہا: بیشک میں نے نیک مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی، حتیٰ کہ جب سورج ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ ان کے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ مارنے لگے۔

حضرات مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اپنے رب کے ذکر سے ان کی مراد عصر کی نماز ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن مسعود کی یہی رائے ہے۔

زجاج فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ عصر کی نماز ان پر فرض تھی یا نہیں، مگر یہ کہ جس وقت ان کے سامنے گھوڑے پیش کیے گئے تھے اس وقت وہ اپنے رب کا ذکر کیا کرتے تھے۔

حَتّٰى تَوَارَت بالحِجَاب سے مراد یہ ہے کہ سورج ان کی نظروں سے چھپ گیا، ہر چند کہ اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں حتیٰ کہ اس کی طرف "توارت" کی ضمیر مستتر لوٹائی جائے، مگر سورج کے ذکر پر اس آیت میں قرینہ ہے کیونکہ

اِذعُرِضَ عَلَیہِ بِالعَشِیِّ الصّٰفِنٰتِ الجِیَاد (صٓ: ۳۱) جب اس کے سامنے ڈھلے سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کو اَلعَشِی کہا جاتا ہے، اس کا معنٰی ہے: غروب آفتاب تک ان کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے، اس کے بعد جس کے متعلق فرمایا ہے "وہ چھپ گیا" تو ظاہر ہے وہ سورج ہی ہو سکتا ہے، پس سورج کا ذکر اس سے پہلے اَلعَشِی کے ضمن میں موجود ہے۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا تھا: "ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ۔

مفسرینؒ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی نماز قضا ہو گئی اور انہوں نے وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھی، اس پر غم اور غصہ کی وجہ سے انہوں نے کہا: کہ گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ مارنے لگے۔

اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے وار کیے اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا۔ (معجم اوسط، مجمع الزوائد)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے سمندر سے پروں والے گھوڑے نکالے گئے، وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ان کا معائنہ کرنے لگے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی، ان کی ہیبت اور ان کے رعب کی وجہ سے کسی نے ان کو عصر کی نماز پر متنبہ نہیں کیا۔

جب نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو منگوایا اور اللہ عزوجل کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا کیونکہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز رہ گئی تھی اور گھوڑوں کو کاٹنا ان کے لیے مباح تھا، اگرچہ ہم پر حرام ہے۔ جیسا کہ ہمارے لیے جانوروں کو ذبح کرنا مباح ہے۔(تفسیر بغوی ۴/۶۷)

(۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔(ابویعلیٰ)

(۳) حضرت ثعلبیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے لوہے کو گرم کرکے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگایا۔ ان تین اقوال میں اول مفسرین کرامؒ کے ہاں راجح ہے۔

مفسر قرآن کریم قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں

فَطَفِقَ مَسحًا بالسُّوقِ وَالاَعنَاقِ

(گھوڑے واپس آ گئے) تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے ہاتھ) صاف کرنا شروع کر دیا، یعنی حضرت سلیمان نے تلوار سے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنی شروع کر دیں۔

مَسَحَ عَلٰی وَرِیْدِہ ' اس کی گردن مار دی۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ اور اکثر اہل تفسیر نے یہی معنٰی بیان کئے ہیں۔

ابن المنذرؒ نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: حضرت سلیمان نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں۔

طبرانی نے الاوسط میں اور اسماعیل نے معجم میں اور ابن مردویہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں باذن خدا کاٹ دیں۔ اس عمل کا باعث تھا ذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا، قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پالینے کا جذبہ

حسنؒ نے کہا: جب حضرت سلیمان نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتار تھی، یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنادیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا۔ گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا، ہماری شریعت میں بقول جمہور حلال ہے، صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (مظہری)

قاضی ثناء اللہؒ لکھتے ہیں کہ

زہری نے حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے جو رُدُّوْها عَلَیَّ کہا تھا، وہ فرشتوں سے کہا تھا، یعنی آفتاب پر مؤکل جو ملائکہ تھے، بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں، چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔

زہری اور ابن کیسان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر، ان پر پڑا ہوا غبار صاف کرنے کیلئے محبت اور پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے: یہ تفسیر ضعیف ہے، مشہور پہلا ہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت سلیمان نے بطور افسوس کہا تھا: اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ آپ کا یہ قول زہری کی تفسیر کو غلط ثابت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش

سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیسے آزمائش میں مبتلا کیا تھا؟

جواب قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے آزمائش میں مبتلا ہونے کا ذکر موجود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ{۳۴}ص.

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے سلیمان کی ایک آزمائش کی تھی اور ان کی کرسی پر ایک دھڑ لاکر ڈال دیا تھا۔ پھر انہوں نے (اللہ سے) رجوع کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا، اللہ نے انہیں کیوں آزمائش میں ڈالا؟ اور وہ آزمائش کیا تھی؟ اس آزمائش سے انہیں کس طرح نجات ملی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب سے قرآن کریم خاموش ہے، یہاں صرف آپ کے رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کی بات کی گئی ہے، تفاسیر میں حضرات مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں ایسے ایسے واقعات لکھے ہیں جو اپنی جگہ پر حیران کن ہیں، بعض مفسرین نے وہ واقعات نقل کر دیے اور ساتھ ہی ان کی اسنادی حیثیت پر خوب جرح کرتے ہوئے ان واقعات کو اسرائیلی واقعات کہہ دیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہو گا لیکن وہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تو صرف ایک ناتمام اور ادھورا بچہ پیدا ہوا۔

مفسر قرآن شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ

وَاَلقَينَا عَلَى كُرسِيِّه جَسَداً ثُمَّ اَنَابَ اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا، بعض کہتے ہیں یہ دو واقعہ ہیں۔ وَلَقَد فَتَنَّا ایک اور اَلقَينَا دوسرا۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک کہ محدثین نے تلاش کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان (علیہ السلام) کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان (علیہ السلام) کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے؟

ہاں مفسروں نے بعض اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصہ ضرور نقل کئے ہیں، گو ان قصوں کو ان اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے، مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃِ نبوت سے ظاہر ہوئے۔

پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان کے محل میں شاہ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں، جن کو بیویاں بنار کھا تھا اور ان پر عاشق تھے۔ ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانہ بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی۔ یہ بات اول کتاب السلاطین کے گیارہویں باب میں لکھی ہوئی ہے۔

دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی، حمام میں جاتے وقت اس کو اتار کر کسی خادمہ کو دے دیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے، ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے، سلیمان (علیہ السلام) کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آبیٹھا، سلیمان (علیہ السلام) کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان (علیہ السلام) نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا ادھر سلیمان (علیہ السلام) ماہی

گیروں کے ہاں نوکر ہوگئے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی بر آمد ہوئی، اس کو پہننا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا، سب لوگ مطیع ہوگئے۔

ان خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے، اگر یوں ہی جن وشیاطین انبیاء تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں، ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہر چند اہل کتاب کی الہامی کتابیں صحیح وغلط کا مجموعہ ہیں، مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔

اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو دنیا کے بیشمار سامان و اسباب عطاء کئے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا، ان کے عہد میں جنگ و جدل کی بھی بہت کم نوبت آتی تھی، سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں۔ سباء کی شہزادی اور شاہ مصر کی بیٹی وغیرہ اور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں، ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔

کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت ہی بنالیا ہو جس کی سلیمان (علیہ السلام) کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو، ایسا ہونا بھی ان کی شان نبوت کے برخلاف ہے، البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں اور حقیقت میں کثرت مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ

كَمَا قَالَ تَعَالٰى ۔ اِنَّمَا اَموَالُكُم وَ اَولَادُكُم فِتنَۃً۔

سلیمان کی ذرا سی غفلت ان کے لیے بڑی قابل عتاب بات تھی، جس پر متنبہ کرنے کے لیے خدا نے رودمی ہدہد کو سلیمان کے مقابلہ میں ابھارا جس نے شاہ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے رزوں کو ابھارا وہ بھی مخالف تخت ہو گیا۔ تیسرا شخص یربعام مخالف کھڑا ہو گیا جو سلیمان کا نوکر تھا۔ (الکتاب السلاطین الاسباب)

تخت کے بر خلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ وبالا کر دیا ہو گا۔ بیشک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے۔ جسم ڈالنا محاورہ ہے، اس کے بوجھل اور کمزور ہونے سے ثم اناب مگر حضرت سلیمان (علیہ السلام) متنبہ ہوئے، خدا کے آگے گریہ وزاری کی خدا نے اس کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان (علیہ السلام) نے یہ دعا کی رب اغفرلی کہ میری غفلت کو معاف کر دے۔

وَھب لی مُلکًالَّا یَنبَغِی لاَحَدٍ مِّن بَعدِی اِنَّک اَنتَ الوَھاب۔

کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان (علیہ السلام) کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہوا بلکہ سب عہد سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہ مجھے ایسا دے اور کسی کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہو گا یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اس پر دست تطاول دراز نہ کرے، یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابوالسعود)

امام رازیؒ اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان (علیہ السلام) سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا ان کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں۔ لحم علی وضم و جسم بلا روح یہ ان کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں۔

ثم اناب ای رجع الی حال **الصحۃ** کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی، ایک دوسری جگہ جانا ہے، اس لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر سلطنت ابدی کی دعا مانگی۔

ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی ای ملکا لا یمکن ان ینتقل عنی الی غیری کہ وہ سلطنت جو مجھ سے کبھی غیر کی طرف منتقل ہو کر نہ جاوے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الہام کے طور پر آپ کو وہ حوادث جو ان کے بعد غیروں سے پیش آنے والے تھے۔ بتلائے گئے جیسا کہ یربعام کا ان کے بعد ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہونا اس لیے آپ نے دعا کی کہ کسی اور غیر کو میری سلطنت سزاوار نہ ہو وہ ملک عطا کر۔ (تفسیر حقانی)

سلیمان علیہ السلام پر اللہ کا فضل واحسان

سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سلیمان علیہ السلام پر فضل فرمایا، اس کا ذکر کیجیے۔

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سلیمان علیہ السلام پر یہ فضل فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایک ہوا تھی جو انہی کے حکم سے چلتی تھی، وہ اپنی قوت وشدت کے ساتھ ان کا حکم مانتی تھی، جہاں کے لیے وہ حکم دیتے تھے وہ انہیں وہاں پہنچاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کیا ہوا تھا، وہ ان سے کام لیتے تھے، کچھ ایسے تھے جو تعمیراتی کام کرتے تھے، کچھ ایسے تھے جو غوطہ خوری کرتے تھے، تھے یہ سرکش، جن کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کا آخرت میں اللہ کے ہاں قرب کا ایک خاص مقام ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاء حَيْثُ أَصَابَ{٣٦} وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاء وَغَوَّاصٍ{٣٧} وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ{٣٨} هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ{٣٩} وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَى وَحُسْنَ مَآبٍ{٤٠}ص.

چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے قابو میں کر دیا جو ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے ہموار ہو کر چلا کرتی تھی۔ اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے۔ اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (اور ان سے کہا تھا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ احسان کر کے کسی کو کچھ دو، یا اپنے پاس رکھو، تم پر کسی حساب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا۔

اللہ کے خاص بندوں پر جب امتحانات آتے ہیں تو اس کے بعد ان پر رب تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم کا نزول بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر امتحان بھیجا، امتحان پر وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، پھر اللہ نے ان پر ایسا فضل فرمایا کہ ہوا ان کے تابع کر دی، حضرت سلیمان کو ہوا پر اللہ نے تصرف دے دیا، ایسا تصرف کہ ان سے پہلے کسی کو ایسا تصرف نہیں دیا تھا۔

بحر و بر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو عجیب شان و شوکت عطا کی گئی تھی، ان کی بحری قوت ان کے زمانہ کی سب سے بڑی بحری قوت تھی اور ان کا بحری بیڑا اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا کو کنٹرول کرنے کے لئے بادبانی نظام کو انہوں نے اتنی ترقی دی کہ ان کے جہاز ہر قسم کے سمندروں میں لمبے لمبے سفر کرتے اور ان کے سفر میں نہ ہوا کی کمی سے کوئی خلل پڑتا نہ اس کی شدت سے، وہ سخت سے سخت طوفانی ہواؤں کا بھی نہایت کامیابی سے مقابلہ کرتے اور موافق ہوا نہ ہونے کے باوجود اپنے اسفار کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رکھتے تھے، لوہا ان کے والد کے ہاتھ میں موم ہو جایا کرتا تھا، مگر حضرت سلیمان نے لوہا سازی کی صنعت کو ترقی دی تھی، ان کے

والد حضرت داؤد نے اپنی بری قوت کو بے مثال ترقی دی تھی، بیٹے نے بحری نظام کو مؤثر اور مضبوط بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان کر دیا تھا، آپ کو خواہ کتنا طول وطویل سفر کرنے کا ارادہ ہوتا، جہاں جانا چاہتے تھے ہوا ان کے فرمان کے مطابق نرمی اور سبک خرامی سے چلتی تھی، بہت مضبوط جنات بھی ان کی بات مانتے اور تسلیم کرتے تھے، تعمیرات میں جتے رہتے تھے، غوطہ خوری کرتے تھے، زنجیروں میں بندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے جنات بھی ان کے تابع فرمان تھے۔

قرآن کریم میں اس مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تابع فرمان ہوا کے لیے لفظ رخاء استعمال کیا گیا ہے، رخاء کا عربی زبان میں معنیٰ اور مفہوم نرمی اور ملائمت کا ہے، دوسرے مقام پر سورۃ الانبیاء ۸۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو تند وتیز سے تعبیر فرمایا ہے، جو اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں اللہ نے برکت رکھی تھی۔

بعض دماغوں کے لیے یہاں یہ سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی وہ تند وتیز تھی یا نرم وملائم تھی؟ ان کو سمجھانے کے لیے اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ

ان دونوں آیات میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ جو ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی تھی وہ نرم اور ملائم تھی، مگر قوت اور طاقت کے لحاظ سے وہ تند وتیز تھی۔ ہم یوں بھی اس کی تعبیر کرسکتے ہیں کہ وہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی منشاء اور مرضی کے مطابق نرم وملائم تھی، مگر کبھی وہ تند وتیز بھی ہوجایا کرتی تھی، اس لیے ان دونوں آیات میں کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنا فضل فرمایا کہ جنات ان کے تابع فرمادیے تھے، یہ مضبوط جنات تھے، قوت وطاقت والے تھے، ان میں کچھ تو ایسے تھے جو

فرمان سلیمانی سے بڑے بڑے قلعے تعمیر کرتے تھے، فلک بوس عمارتیں کھڑی کرتے تھے، کچھ ایسے جنات تھے جو فرمان سلیمانی کے تحت سمندروں میں غوطہ زن ہو جاتے تھے۔

سورۃ سباء میں اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی کاریگری بیان فرمائی کہ یہ سلیمان علیہ السلام کے لیے محاریب، تماثیل، جفان اور قدور راسیات تیار کرتے تھے، محاریب، محراب کی جمع ہے جو مکان کے اشرف واعلیٰ حصہ کے لئے بولا جاتا ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لئے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔ اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں، اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔

تماثیل، تمثال کی جمع ہے۔ قاموس میں ہے کہ تمثال فتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ۔ جنات حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی

ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لئے عام تھیں۔ دوسرے تاریخی روایات میں تخت سلیمان پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔

جفان، بڑے پیالے کو کہتے ہیں یہ جفنہ کی جمع ہے۔، کالجواب، یہ جابیہ کی جمع ہے۔ جابیہ بڑے حوض کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ جبی الخراج سے ماخوذ ہے۔ بڑے حوض کو جابیہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں پانی آکر جمع ہوتا ہے، یہ ان صفات میں سے ہے جن کے موصوف کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ صفات ہی کو موصوف کے قائم مقام قرار دے لیا جاتا ہے۔ ایک پیالہ پر ایک ہزار آدمی بیٹھ کر کھایا کرتے تھے یعنی پیالہ اتنا بڑا تھا کہ ایک پیالے کا کھانا ہزار آدمیوں کے لیے کافی ہوتا تھا۔

قدور راسیات، قدور قدر کی جمع ہے، قدور یہ تانبے کی ہانڈیاں ہیں جو ایران کے علاقہ میں ہوتی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ایسی ہانڈیاں ہیں جو پہاڑوں سے بنائی جاتی ہیں۔ ایسے پہاڑ جن کے پتھر پیوست ہوتے ہیں ان میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا ان کو تراشا گیا یہ شیاطین نے آپ کے لیے کام کیا تھا۔ ان کے چولہے بھی اسی طرح پہاڑوں سے بنائے جاتے تھے۔ راسیات کا معنی جمی ہوئی۔ نہ انہیں اٹھایا جاتا ہے اور نہ انہیں حرکت دی جاتی ہے کیونکہ وہ بڑی ہوتی ہیں۔ ابن عربی نے کہا: عبداللہ بن جدعان کی ہانڈیاں بھی اسی طرح کی تھیں اور جہالیت میں سیڑھی لگا کر ان کی طرف چڑھا جاتا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جو کچھ چاہتے تھے جناب ان کے لیے بنادیتے تھے، قلعے، مجسمے، حوضوں کے برابر ٹب اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔ اور غوطہ لگانے والے جنات کا ذکر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے

وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ (الانبیاء : ۸۲)

یعنی کچھ شیاطین سلیمان علیہ السلام کے لیے غوطہ زن ہوتے تھے اور اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے کام ہوا کرتے تھے، اور ہم ہی ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔

جنات سمندر میں غوطہ لگا کر موتی، جواہر اور دوسری ایسی چیزیں نکال کر لاتے تھے جو زیورات میں کام آتی ہیں۔

اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کے لیے ایسے جنات بھی مسخر کر دیئے تھے جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور دوسری قسم کے ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یعنی وہ بہت سرکش جن تھے، جن کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ کے رکھا ہوا تھا تاکہ ان کو شر اور فساد سے روکا جا سکے۔

سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد (علیہ السلام) نے شروع کی تھی، قد آدم تعمیر اٹھائی تھی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی: تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے بیٹے کو جس کا نام سلیمان ہو گا میں بادشاہ بناؤں گا اور اس کے ہاتھ سے اس عمارت کو پورا کراؤں گا۔

حضرت داؤد (علیہ السلام) کی وفات کے بعد جب حضرت سلیمان (علیہ السلام) ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرنی چاہی۔ چنانچہ جنات اور شیاطین کو جمع کر کے ان کی ٹولیاں بنا کر الگ الگ کاموں کی درستی پر مقرر کیا، جنات اور شیاطین کو کانوں سے اکھاڑ کر سنگ مرمر سفید لانے کا حکم دیا۔

پتھر آ گئے تو سنگ مرمر سفید اور دوسری سنگین چٹانوں سے شہر بنانے کا امر دیا۔ شہر کی بارہ فصیلیں بنائیں کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے، ہر قبیلہ کو ایک فصیل میں رکھا۔ شہر بن چکا تو تعمیر مسجد کا آغاز کیا جس کی ابتدا اس طرح کی کہ جنات اور شیاطین کے

گروہ الگ الگ کر دیئے۔ ایک گروہ کو کانوں سے سونا، چاندی اور یاقوت لانے کا اور سمندر سے چمک دار موتی نکال کر لانے کا حکم دیا۔

دوسرے گروہ کو جواہر اور دوسرے (قیمتی) پتھر معدنوں سے اکھاڑ کر لانے کا حکم دیا۔ تیسرے گروہ کو مشک، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں لانے پر مقرر کیا۔ آخر کار جب یہ ساری چیزیں اس قدر جمع ہو گئیں کہ جن کی مقدار اور جن کی تعداد کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں تھا تو پھر کاریگروں اور صنعت کاروں کو طلب کیا گیا، انہیں بلوا کر اونچے اونچے پتھر تراشنے اور ان کی تختیاں اور جواہر کو درست کرنے اور موتیوں اور یاقوت وغیرہ میں سوراخ کرنے کا حکم دیا۔

مسجد کی تعمیر سفید، زرد اور سبز سنگ مرمر سے کروائی اور اس کے ستون بھی اسی سے کھڑے کروائے، چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگوائیں، چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلستر مروارید، یاقوت اور دوسرے جواہر کا لگوایا، زمین پر فیروزے کی تختیاں لگوا کر فرش سجایا گیا۔

اس زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ پر رونق اور چمکیلی عمارت کوئی نہیں تھی تاریکی میں وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی۔ تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے علماء بنی اسرائیل کو طلب فرما کر بتایا کہ میں نے یہ عمارت خالص اللہ کے لیے بنائی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لیے ہے (کوئی اس کا مالک نہیں) جس روز تعمیر سے فراغت ہوئی، آپ نے اس روز جشن منایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سلیمان نے تعمیر بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رب سے تین چیزوں کی دعا کی اللہ نے دو چیزیں تو عطا فرما دیں اور تیسری کے متعلق بھی مجھے امید ہے کہ عطا فرما دی ہو گی۔ سلیمان نے درخواست کی تھی کہ اللہ ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا

فرمادے کہ ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ کے موافق ہو (یعنی فیصلہ کرنے میں ان سے غلطی نہ ہو) اللہ نے ان کو یہ چیز عطا فرمادی۔ انہوں نے اپنے رب سے ایسی حکومت مانگی تھی جو ان کے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو، اللہ نے یہ چیز بھی ان کو عطا فرمادی۔

سلیمان نے دعا کی تھی کہ اس گھر (بیت المقدس) میں جو شخص آکر دو رکعت نماز ادا کرے، اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیا جنات نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لیے یمن میں پتھر کے بڑے عجیب قلعے بھی تعمیر کیے تھے۔

جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا گیا ان کی جسامت پر ایک اعتراض کا جواب:

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان دو آیتوں میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت سخت کام کر لیتے تھے، اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے، سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور بعض کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا، ان جنات کے جسم کثیف تھے یا لطیف تھے۔ اگر ان کے اجسام کثیف تھے تو ہم کو نظر آنے چاہیے تھے۔ کیونکہ جسم کثیف کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ کثافت کے باوجود نظر نہیں آتے تھے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں تو جس طرح یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ہمارے سامنے جنات جسم کثیف میں موجود ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ ان جنات کا جسم لطیف ہے اور لطافت سختی کے منافی ہے، تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ جنات قوت شدیدہ کے حامل ہیں اور وہ ان کاموں کو کر گزرتے ہیں جن پر عام بشر اور انسان قادر نہیں ہوتے، کیونکہ جسم لطیف کا اقوام بہت ضعیف ہوتا ہے اور معمولی مزاحمت کے بعد اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں، لہٰذا وہ ثقیل اشیاء کو اٹھانے اور سخت کاموں کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا، نیز جب ان جنات کا جسم لطیف ہوگا تو پھر ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان جنات کے اجسام لطیف ہیں لیکن لطافت، صلابت اور سختی کے منافی نہیں ہے، پس چونکہ وہ اجسام لطیف ہیں اس لیے وہ دکھائی نہیں دیتے، اور چونکہ ان میں صلابت اور سختی ہے اس لیے ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا ممکن ہے، اسی طرح ان کا بھاری چیزوں کو اٹھانا اور سخت اور دشوار کاموں کو کرنا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ سخت اور تیز آندھی بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور مضبوط بجلی کے کھمبوں کو گرا دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جنات کے اجسام کثیف ہوں اور وہ سخت اور دشوار کاموں پر قادر ہوں اور ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن ہو اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے زمانہ میں وہ لوگوں کو دکھائی دیتے ہوں اور ہمارے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے ان کا دکھائی دینا ممتنع کر دیا ہو۔ (تفسیر تبیان القرآن)

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَى وَحُسْنَ مَآبٍ

اور (اس بے مثال دنیاوی ساز و سامان کے علاوہ) ان کے لئے ہمارے یہاں ایک خاص مرتبہ بھی ہے اور عمدہ ٹھکانا بھی۔

یہ ایک نہایت ہی عظیم مقام و مرتبہ ہے جو حضرت سلیمان کو دیا گیا۔ نہایت ہی فضل و کرم اور رضامندی اور بخشش اور مہربانیاں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں کہ

اوپر ساز و سامان دنیوی کا بیان تھا، اب مقبولیت عند اللہ واجر اخروی کا بیان ہے۔ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی مقبولیت وبرگزیدگی کی یہ تصریحات بار بار اس لیے اور بھی آئی ہیں کہ یہود و نصاری نے اپنے نوشتوں میں آپ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے، اور ہر طرح کی بدعقیدگی برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپ پر تھوپ دیئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

حضرت ایوب اور صبر ایوب علیہ السلام

سوال حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کیجیے۔

جواب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اے میرے حبیب! میرے رسول! ہمارے بندے ایوب کا تذکرہ کیجیے، جب انہوں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں التجا کی کہ شیطان نے مجھے تکلیف اور مشقت میں ڈال دیا ہے، میرے جسم میں اذیت پہنچائی، میرے مال اور میری آل واولاد کو نقصان پہنچایا، پھر ہم نے انہیں کہا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریے، جہاں سے آپ کے لیے ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ نکلے گا، اس سے آپ نوش کریں اور غسل بھی کریں، یوں آپ کی ظاہری اور اندرونی تکلیف جاتی رہے گی، یوں ہم نے ان سے اس تکلیف کو دور کیا، ہم نے انہیں اعزاز عطا کیا، انہیں آل واولاد لوٹائی، جو کچھ ان کا نقصان ہوا تھا وہ دگنا کر کے انہیں عطا کیا۔

اس سب کچھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور اکرام بتایا، یہ سب کچھ صبر ایوب کی وجہ سے تھا، اس واقعہ عجیبہ میں عبرت کا سامان ہے، عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے نصیحت ہے، تاکہ انہیں پتا چل جائے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، صبر وثبات کے بعد غم وھم کے دریچے بند ہوجاتے ہیں، مشکلات ومصائب کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، فرحت، خوشی اور سرور کے دروازے چوپٹ کھل جایا کرتے ہیں۔

اسی دوران جب ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی تھی کہ میں صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو درے ماروں گا تو اللہ نے اس مشکل میں ساتھ دینے والی بیوی کو اس طرح بچایا کہ ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ جھاڑو کی تیلیاں لے کر اپنی مٹھی میں رکھیں اور ان سے اپنی بیوی کو وہ قسم پوری کرنے کے لیے ماریں، تاکہ ان کی قسم پوری ہوجائے اور اس نیک وصالحہ عورت کو تکلیف بھی نہ پہنچے، اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے صبر پر

ان کی تعریف کی کہ وہ صابر کرنے والے بندے تھے، بہترین بندے تھے، وہ اللہ کی اطاعت کرنے والے اور خوب رجوع الی اللہ کرنے والے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہاں ایوب علیہ السلام کا یوں ذکر فرمایا

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ{۴۱} ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ{۴۲} وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَى لِأُوْلِي الْأَلْبَابِ{۴۳} وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ{۴۴}ص

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: شیطان مجھے دکھ اور آزار لگا گیا ہے۔(ہم نے ان سے کہا) اپنا پاؤں زمین پر مارو، لو! یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لیے بھی اور پینے کے لیے بھی۔ اور (اس طرح) ہم نے انہیں ان کے گھر والے بھی عطا کر دیے۔ اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔ تا کہ ان پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لیے ایک یادگار نصیحت۔ اور (ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو، اور اس سے مار دو، اور اپنی قسم مت توڑو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعہ وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔

ایوب علیہ السلام کیسے صابر انسان تھے؟ ان کا صبر ضرب المثل بن گیا ہے، اللہ نے ان کے صبر کی تعریف کی ہے، کیسا عجیب صبر تھا کہ مال برباد ہو گیا اولادیں مر گئیں جسم مریض ہو گیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو صرف دل سلامت رہ گیا اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہو تا سوائے ایک بیوی صاحبہ کے جن کے دل میں خوف اللہ تھا اور اپنے خاوند اللہ کے رسول ﷺ کی محبت تھی۔

ایوب علیہ السلام کی بیوی لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی تھی اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا وہیں آپ کو لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ سال کامل گذارے اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا۔ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمربستہ تھیں۔

ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آگیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع وزاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ! مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے یہاں جو دعا ہے اس میں جسمانی تکلیف اور مال و اولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔

اسی وقت رحیم و کریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں کے لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو۔ غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔ پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا

إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَبِثَ بِهِ بَلَاؤُهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَفَضَهُ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ إِلَّا رَجُلَيْنِ كَانَا مِنْ أَخَصِّ إِخْوَانِهِ بِهِ كَانَا يَغْدُوَانِ إِلَيْهِ وَيَرُوحَانِ(ابن جریر،ابن ابی حاتم،تفسیرابن کثیر)

اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبر ﷺ دکھ درد میں مبتلا رہے اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیاہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آجایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا میرا خیال یہ ہے کہ ایوب نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب (علیہ السلام) سے اس کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا۔

اس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ

لَا أَدْرِي مَا تَقُولُ غَيْرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أَمُرُّ عَلَى الرَّجُلَيْنِ يَتَنَازَعَانِ فَيَذْكُرَانِ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَأَرْجِعُ إِلَى بَيْتِي فَأُكَفِّرُ عَنْهُمَا، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَذْكُرَا اللَّهَ إِلَّا فِي حَقٍّ

میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے، میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہو گا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ اللہ کے نام کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو۔ بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ

أَيْ بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ هَلْ رَأَيْتَ نَبِيَّ اللَّهِ هَذَا الْمُبْتَلَى. فَوَاللَّهِ عَلَى ذَلِكَ مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِهِ مِنْكَ إِذْ كَانَ صَحِيحًا

اے اللہ کے نیک بندے، یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے، تب آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ

وَكَانَ لَهُ أَنْدَرَانِ أَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَأَنْدَرٌ لِلشَّعِيرِ فَبَعَثَ اللَّهُ سَحَابَتَيْنِ فَلَمَّا كَانَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى أَنْدَرِ الْقَمْحِ أَفْرَغَتْ فِيهِ الذَّهَبَ حَتَّى فَاضَ وَأَفْرَغَتِ الْأُخْرَى فِي أَنْدَرِ الشَّعِيرِ حَتَّى فَاضَ

آپ کی دو کوٹھیاں تھیں ایک گیہوں کیلئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی (ابن جریر)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثُو فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ(مسنداحمد،بخاری،ابن کثیر)

حضرت ایوب (علیہ السلام) ننگے ہو کر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا ہاں الٰہی! بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر ﷺ کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی بلکہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور

اتنی ہی اور نئی دی۔ یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال رجوع الی اللہ تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت وراحت ہے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب (علیہ السلام) اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے۔

بعض کہتے ہیں وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے۔

دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے۔ جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کو پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوب نے طے کر رکھی تھی جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا۔

اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا اور اپنے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو سیخیں ہوں اور ایک انہیں مار دو اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہو گا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہو گی، یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب کی ثناء وصفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہمیں سے لو لگائے رہا، اسی لئے اللہ کا فرمان ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی

پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو۔ اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ

سوال اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے، ان حضرات انبیاء کرام کے بارے میں کچھ بتائیے، نیز یہ بتائیے کہ یہاں آیت میں موجود أُوْلِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ، بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ کا کیا مفہوم اور مطلب ہے؟

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُوْلِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ{٤٥} إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ{٤٦}ص.

جواب ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو (نیک عمل کرنے والے) ہاتھ اور (دیکھنے والی) آنکھیں رکھتے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص وصف کے لیے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔

(أُوْلِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ) اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ "وہ ہاتھوں اور نگاہوں والے تھے "مطلب یہ ہے کہ اپنی فکری اور عملی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اعضاء انسانی کا اصل مصرف یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی میں خرچ ہوں، اور جو اعضاء اس میں خرچ نہ ہوں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔(معارف القرآن)

یہ لوگ صرف اولی الاید والابصار ہی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی قوت اور طاقت ودیعت کی گئی تھی جس کی بدولت وہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی ساری صلاحیتیں لگادیتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں عقابی نگاہیں ہی نہیں دی تھیں بلکہ دین میں بصیرت بھی عطا فرمائی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت علمیہ اور قوت عملیہ سے نوازااور سرفرازاہوا تھا۔(بیان القرآن)

جمہور قراءؒ کے نزدیک اَلاَیدِی یا کے ساتھ ہے جو ید کی جمع ہے اور ید کے معنٰی ہاتھ کے ہیں، تو اس لحاظ سے اُولی الاَیدی سے عملی قوت والا ہونا مراد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں یہی فرمایا کرتے اَلقُوَّۃُ فی العِبَادَۃِ۔ اور اَلاَبصَار سے مراد اَلفِقہ فی الدِّین۔لیتے ہیں، بعض علماء نے ید کو بمعنٰی نعمت لیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انعامات اور نعمتوں والے تھے۔ (معارف للکاندھلوی)

اُولی الاَیدی یعنی اطاعت خداوندی میں مستعد و طاقتور اور دین و معرفت الٰہیہ میں بصیرت مند تھے۔(تفسیر مظہری)

(بِخَالِصَةٍ ذِکْـرَی الدَّارِ) امام تفسیر حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں ایسا بنایا کہ وہ آخرت کے لیے کام کرتے تھے، اس کے علاوہ انہیں کسی چیز کا غم وھم نہیں تھا، اسی طرح حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ آخرت کو یاد کرتے تھے او راسی کے لیے عمل کرتے تھے، حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت کھینچ لی تھی، دنیا کی یاد ان کے دلوں سے نکال دی تھی اور انہیں آخرت کی محبت اور اس کی یاد کے لیے چن لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان چنید شخصیات کو خاصہ عظیمہ کے ساتھ مختص کیا تھا، ان کے دلوں میں آخرت کی یاد رکھ دی تھی، وہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ آخرت کے لیے عمل کرتے تھے، نہ صرف یہ کہ خود ایسا کرتے تھے بلکہ لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے تھے اور انہیں آخرت یاد دلاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے لخت جگر تھے، ان کا شجرہ نسب یہ ہے، تارخ بن ناخور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عابر بن شالح بن افحشاذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام امیلہ تھا۔ابراہیم علیہ السلام دمشق کی برزہ نامی بستی میں پیدا ہوئے، یہ پہاڑی علاقہ تھا، جسے قاسیون کہا جاتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے مشہور مقام بابل میں پیدا ہوئے تھے، اسی کو درست بھی کہا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ نامی عورت سے شادی کی، سارہ بانجھ تھیں، انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی، اہل تاریخ کہتے ہیں کہ

تارخ اپنے بیٹے ابراہیم اور اپنی بہو سارہ ، اپنے بھتیجے لوط بن هاران کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین سے کنعانیوں کی سرزمین کی طرف چلے گئے، وہاں آپ حران نامی جگہ میں ٹھہرے، وہاں دوران قیام تارخ کا انتقال ہو گیا، اس وقت تارخ کی عمر ڈھائی سو سال تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا جائے ولادت حران نہیں تھا بلکہ ان کی جائے ولادت ارض کلدانیون تھی، یہ بابل کی سرزمین ہے اور اس کے اڑوس پڑوس کی۔ پھر ان لوگوں نے سرزمین کنعان کی طرف سفر شروع کیا، یہ سرزمین بیت المقدس تھی، یہاں آپ لوگ حران میں ٹھہرے، اس زمانے میں اس سرزمین کو کشدانیون کہا جاتا تھا، اسی طرح سرزمین کو جزیرہ اور شام بھی کہا جاتا تھا، یہ لوگ سات ستاروں کی پوجاپاٹ کرتے تھے۔

جن لوگوں نے شہر دمشق کو آباد کیا تھا یہ لوگ اسی دین پر تھے، وہ قطب شمالی کا استقبال کیا کرتے تھے اور سات ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ دمشق کے ہر دروازے پر دیو ہیکل سات ستاروں کی شبیہ رکھی ہوئی تھیں، وہ ان ستاروں کے لیے عیدیں اور قربانیاں کرتے تھے، اسی طرح حران والے بھی ان ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں روئے زمین پر کفار ہی رہتے تھے، سوائے ابراہیم، ان کی بیوی اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام کے، حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان شرارتوں سے دور رکھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعے اس گمراہی کو باطل قرار دیا۔(البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی چھوٹی عمر میں ہی رشد وہدایت کی تھی، پھر انہیں رسول بنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ انہیں بڑی عمر میں اپنا خلیل بنایا، جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے، اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور صحیفے عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا، ان کے نام پر قرآن کریم میں ایک مکمل سورۃ نازل فرمائی، ان کے والد کے بارے میں ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، ایک طبقہ کہتا ہے کہ بت پرستی کرنے والے ان کے چچا تھے، ان کے والد نہیں تھے، قرآن کریم میں ان کے والد کے لیے لفظ اب استعمال ہوا ہے، اس پر کہا جاتا ہے کہ والد کا لفظ خاص اپنے باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ اب کا لفظ چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی نصیحت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اسی طرح وہ اپنے ابا کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ صدیق یعنی سچے نبی تھے، وہ اپنے ابا کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اے میرے اباجان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ آپ کو کسی چیز میں کچھ کام آسکتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ابا سے کہا کہ اے میرے اباجان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لیے آپ میری اتباع اور پیروی کریں میں آپ کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کروں گا۔

اے میرے اباجان! شیطان کی عبادت نہ کریں، کیونکہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔

اے میرے اباجان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو کہیں اللہ کی طرف سے عذاب پہنچے اور آپ شیطان کے دوستوں میں سے ہو جائیں۔

ابا نے کہا کہ تو میرے معبودوں سے روگردانی کرتا ہے، منہ پھیرتا ہے، اگر تو اپنے اس مشن سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو مجھے ہمیشہ چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو سلام، میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دعا کروں گا، میرا رب مہربان ہے، میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں اور ان کو جن کی آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں، میں تو اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور میں اپنے رب کی پکار سے محروم نہیں رہوں گا۔

ابراہیم اپنے ابا سے گفتگو بھی کرتے رہے اور مجادلہ بھی، مگر انہیں انتہائی عمدہ عبارات سے مخاطب کرتے رہے، بہت ہی عمدہ پیرائے میں انہیں بتوں کی پوجا پاٹ سے آگاہ کرتے اور ان کا بطلان ثابت کرتے رہے، کہ یہ بت جن کی پرستش میں آپ مشغول

ہیں وہ تو اس قدر بے بس اور کمزور ہیں کہ وہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں، جب یہ اس قدر بے بس ہیں تو تمہارے کام کیسے آسکتے ہیں؟

ابراہیم علیہ السلام اپنی صغر سنی کے زمانے کی باتیں اپنے ابا کے سامنے بیان کرتے کہ اللہ کا مجھ پر اس قدر احسان ہے کہ اس نے مجھے ایسا علم دیا جو آپ کو نہیں دیا گیا، اس لیے آپ میری پیروی اور اتباع کریں تو میں سیدھا راستہ آپ کو دکھا دوں گا، آپ نے صراط سوی کا ذکر کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ بالکل سیدھا، واضح، آسان اور یکسوئی والا راستہ، جو آپ کو دنیا اور آخرت میں خیر کی طرف لے جائے گا۔

جب بیٹے نے یہ رشد وہدایت بھرا پیغام دیا اور ابا کی راہنمائی کی تو یہ نصیحت ان کے باپ نے قبول نہیں کی، الٹا ابراہیم علیہ السلام کو دھمکایا اور ڈرایا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی، ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا کہا۔

ابا کی طرف سے اس قسم کی گفتگو کے بعد ہی ابراہیم علیہ السلام نے ایک فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی تھی کہ آپ پر سلامتی ہو، یعنی میری طرف سے آپ کو کوئی ایسی بات نہیں پہنچے گی جو ناپسندیدہ ہو، اور نہ ہی میری طرف سے آپ کو کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے گی بلکہ آپ میری طرف سے سلامتی اور حفاظت میں رہیں گے، اس سے بڑھ کر ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے خیر اور بھلائی میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مہربان رب سے آپ کے لیے استغفار اور بخشش مانگتا رہوں گا۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابا کے لیے وعدہ کے مطابق دعا کرتے رہے، جب ان کے سامنے یہ بات کھل کر آگئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو پھر انہوں نے برأت کا اظہار کر دیا، جیسے قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ

اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے جو مغفرت کی دعا مانگی تھی، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ انہوں نے اس (باپ) سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اس سے دستبردار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے، بڑے بردبار تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ لَهُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ وَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ.(بخاری)

حضرت ابراہیم اپنے ابا سے قیامت کے دن ملاقات کریں گے تو ان کے چہرے پر تار کول اور غبار ہو گی تو ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کہ کیا میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں، پھر ان کے ابا انہیں کہیں گے کہ میں آج آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا تو آج میرے ابا سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو گی؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ

يَا إِبْرَاهِيمُ مَا تَحتَ رجلَيكَ فَيَنظُرُ فَإِذَا هوَ بذِيحٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ(بخاری)

پھر ابراہیم سے کہا جائے گا اے ابراہیم (علیہ السلام) (دیکھو) تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے تو ایک مذبوح جانور خون میں لتھڑا ہوا پائینگے اس جانور کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قرآن کریم میں سورۃ الانعام کی آیت ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم نے اپنے ابا آزر سے کہا کہ آپ نے بتوں کو معبود بنایا ہے، میں آپ کو اور آپ کی قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

علامہ ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابا کا نام آزر تھا، جبکہ جمہور اہل نسب جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے ابا کا نام تارح تھا، جب کہ اہل کتاب کے ہاں تارخ یعنی نقطے والی خاء کے ساتھ ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بت کی پوجا کرتا تھا اس کا نام آزر تھا، اسی کے نام سے اس کا لقب آزر تھا، جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا نام آزر تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو عَلَم ہوں ان میں سے ایک لقب ہو اور دوسرا نام ہو۔

آزر کو نام اور لقب بنانے پر علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں احتمال کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جن شرکیہ کاموں میں مشغول تھی ان سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی راہنمائی کی، قرآنی الفاظ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی سلطنت انہیں دکھائی، تاکہ ان کا ایقان پہلے سے زیادہ ہو جائے، رات کی تاریکی چھائی تو اللہ نے انہیں مزید راہ سجھائی، چاند کی چاندنی پھیلی تو اللہ نے مزید راہیں روشن کر دیں، سورج کی کرنیں بکھریں تو اللہ نے پہلے سے زیادہ راہنمائی کر دی، ساری نظارگی کے بعد آپ پکار اٹھے کہ اے میری قوم! تمہارے شرک اور شرکیات سے بالکل بری ہوں،

پھر ایک ایسا توحیدی کلام پیش کیا جو آج بھی قرآن کریم کی روشن آیات میں دیکھا جا سکتا ہے، کہ

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یکسو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کیا، تو اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے لوگوں سے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جس نے مجھے ہدایت دی ہے، اور مجھے ان چیزوں سے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، اور میں ان چیزوں سے ڈر بھی کیسے سکتا ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، اور تمہیں بھی خوف خدا نہیں ہے کہ تم ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جن کے بارے میں اس نے تمہارے لیے کوئی دلیل نہیں نازل کی، اگر تمہیں کچھ علم ہے تو بتاؤ کہ دو گروہوں میں سے کون سا گروہ امن کا زیادہ حق دار ہے، ان میں سے جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ساتھ خلط ملط بھی نہیں کیا، یہی لوگ امن والے ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۃ الانعام)

اللہ تعالیٰ اپنے ادلہ اور براہین کے ذکر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے دلائل ابراہیم کو عطا کیے ان کی قوم پر، ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔

اجرام فلکیہ کے ذکر کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوئے تو واضح کر دیا کہ یہ روشن ستارے کسی بھی صورت میں الہ اور معبود بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک وسا جھی ٹھہرایا جائے، اس لیے کہ یہ مخلوق ہے، یہ مربوب ہیں یہ مصنوع ہیں، یہ مدبر ہیں، یہ مسخر ہیں جو کبھی طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہوتے ہیں، پھر اس دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، حالانکہ رب تعالیٰ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔

اللہ ایسی ہستی ہے جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، وہ دائم اور باقی ذات ہے، اس پر زوال نہیں آئے گا، اس کے سوا کوئی بندگی اور پرستش کے لائق نہیں ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے ستاروں کا ابتدائی دور ذکر کیا جب ان میں کواکب کی صلاحیت نہیں تھی، ابھی وہ زہرہ کی شکل میں وجود میں نہیں آئے تھے، جب ان کو ترقی ملی تو چاند کی شکل بن گئی، جو ستاروں سے زیادہ روشن اور ان کے حسن سے زیادہ ابہیٰ ہے، پھر جب اسے ترقی ملی تو سورج کو وجود ملا، جو تمام مشاہداتی اجرام سے زیادہ روشن ہے، ضیاء کے لحاظ سے، سنا کے اعتبار سے اور بہاء کے لحاظ سے، اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم نے انہیں بیان کیا کہ ستارے تابع فرمان ہیں، مسخر ہیں، مسیر ہیں، مقدر ہیں، مربوب ہیں اور مصنوع ہیں جیسے رب تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ [فصلت: ٣٧]

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن، سورج اور چاند، اس لیے تم سورج، چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام ایمان وایقان کی بلند ترین سطح پر تھے، شکوک وشبہات سے بالکل پاک تھے، وہ اپنی قوم کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت فرمارہے تھے، اسی لیے ان ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد لوگوں کو سمجھایا کہ ان ڈوب جانے والوں اور آنکھوں سے غائب ہو جانے والی چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو، مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، جو کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے اور نہ ہی کچھ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی چیز سمجھ سکتے ہیں بلکہ یہ مربوب ہیں، ان کا کوئی رب ہے، یہ تابع

فرماں ہیں ان کو مسخر کرنے والی کوئی ذات ہے، یہ کواکب وسیارات، یہ شمس وقمر یہ مصنوع ہیں ان کا کوئی صانع ہے۔

قرآن کریم جن ابراہیمی پند ونصائح کا بیان دے رہا ہے یہ یقیناً اہل حران کے لیے تھے، اس لیے کہ وہی لوگ ان کی پوجا کیا کرتے تھے، اسی طرح اہل بابل بت پرست تھے، وہ جب اپنے ایک میلے کی طرف نکلے تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کو توڑ ڈالا تھا، ان کو تہس نہس کر دیا تھا، پھر ان کا باطل ہونا واضح کیا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ [العنكبوت: ٢٥]

اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیاوالی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہوگے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام توحید کے بہت بڑے علمبردار تھے، آپ نے اپنے ابا اور اپنی قوم کو جب بت پرستی میں مبتلا دیکھا تو وہ ان کو سمجھاتے رہتے تھے کہ آپ لوگ ان خود تراشیدہ مورتیوں کے سامنے کیوں معتکف ہیں؟ کیوں ان کے سامنے جھکے ہوئے ہیں؟ جب وہ کہتے ہیں کہ ہماری مجبوری ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد ان کے پرستار تھے، ان کے معتکف تھے، ہمیں بھی مجبوراً رسم آبا زندہ رکھنا پڑی، تو ابراہیم علیہ السلام انہیں بتاتے کہ تمہارے آباؤ اجداد تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، تو کیا تم ان گمراہ آباؤ اجداد کی پیروی کروگے؟ وہ کہتے کہ جی آپ حق لائے ہیں یا ہمارے ساتھ مزاح کر رہے ہیں؟

ابراہیم علیہ السلام فرماتے کہ سچی بات یہی ہے کہ تمہارا اور آسمان وزمین کا رب وہ ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور میں اس بات پر گواہی بھی دے دوں گا۔

توحید کے علمبردار سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ کوئی تدبیر کروں گا جب تم پیٹھ پھیر کر کہیں چلے جاؤ گے، چنانچہ اس اعلان کی پاسداری کرتے ہوئے توحید کے علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، مگر اتمام حجت کے لیے ایک بڑے بت کو یونہی چھوڑ دیا، تاکہ جب وہ واپس آکر یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو سمجھ جائیں۔

جب یہ لوگ اپنے میلے وغیرہ سے واپس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے بت منہ کے بل اوندھے پڑے ہوئے ہیں، ٹکڑے ٹکڑے دکھائی دے رہے ہیں، تو چیخ وپکار کی اور آسمان سر پر اٹھالیا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ کہیں سے پتانہ چلا تو کہنے لگے کہ ایک نوجوان ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہ ہمارے ان معبودوں کا بہت تذکرہ کرتا رہتا ہے، لگتا یوں ہے کہ یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔

اس اعلان کے بعد انہوں نے کہا کہ اسے لوگوں کے سامنے لایا جائے، تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں، پھر ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ ان کا بڑا موجود ہے اسی سے پوچھ لو اگر یہ بات کرتے ہیں تو تمہیں جواب دے دیں گے کہ یہ تباہی کس نے مچائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو سن کر سب نے اپنے سر جھکا لیے اور کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ یہ بات تو نہیں کرتے، اس پر ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس موقع پر بھی سمجھایا کہ پھر تم ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکتے، نہ تمہیں کوئی نقصان دے سکتے ہیں، تم کیوں اللہ کے سوا ان کی پوجا کرتے ہو، تم سمجھتے کیوں نہیں؟

یہی وہ موقع تھا جب شرک کے ایوانوں میں بھونچال آیا، شرک گاہوں پر زلزلہ بپا ہوا، انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ اس کو جلا دو اور اگر تم کر سکتے ہو تو اپنے معبودوں کی دستگیری کرو، پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے نار نمرودی کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے۔

ابراہیم علیہ السلام بلاخوف لومۃ لائم اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے رہے، اللہ کا تعارف کرواتے رہے، آپ ہی نے ببانگ دھل فرمایا تھا کہ میرا اللہ وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے، وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے، جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ ذات مجھے شفا دیتی ہے، وہی ذات مجھے مارے گی اور وہی ذات مجھے مارنے کے بعد زندہ کرے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معافی کا پروانہ عطا فرمائے گا اور میری خطاؤں سے درگزر کر دے گا، ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں دعا بھی فرمائی تھی کہ مجھے نیکوکاروں کے ساتھ شامل کیا جائے۔

حضرت اسحاق کا ذکر خیر

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی وہ نیکوکار انبیاء میں سے تھے۔ اور ہم نے ابراہیم کو برکت سے نوازا اور اسحاق کو برکت سے نوازا، اور ان کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار اور کچھ کھلے طور پر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کو دی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا تھا، قوم لوط نے اس سرزمین پر کفر اور فجور کا ارتکاب کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے اور ان کے نظام کو تاراج کرنے کے لیے فرشتے بھیجے تھے۔

جب یہ فرشتے بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے حضرت ابراہیم کے گھر پہنچے تو انہیں سلام کیا، حضرت ابراہیم نے ان کے سلام کا جواب دیا، کچھ دیر وہاں ٹھہرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بچھڑا بھون کے ان کے لیے لے آئے اور سامنے رکھ دیا، مگر ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، اس بات نے ابراہیم علیہ السلام کو پریشان کر دیا، وہ دل ہی دل میں ڈرے کہ کہیں یہ کوئی دشمن نہ ہو، چنانچہ ان فرشتوں نے انہیں فرمایا کہ آپ ڈریے نہیں کیونکہ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، ہم تو آپ کو صرف بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے آپ کے ہاں آئے ہیں۔

اس دوران ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ان کے قریب کھڑی تھی، وہ فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی بشارت سن کر ہنس دی، اور کہنے لگیں کہ اے خرابی! میں بڑھاپے میں بیٹا جنوں گی؟

میرے شوہر نامدار تو بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو عجیب بات ہوئی، فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں، اے گھر والو! اللہ تعالیٰ کی تم پر رحمتیں اور برکتیں ہوں، وہ قابل تعریف ہے وہ بزرگی والا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب! ان لوگوں کو ذرا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں تو اطلاع دیں، جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آتے ہی ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آمد پر انہیں بتایا کہ ہم تمہاری آمد پر ڈر رہے ہیں، اس پر فرشتوں نے کہا کہ آپ ڈریے نہیں ہم تو آپ کو ایک جانکار بیٹے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم ہمیں خوشخبری سنانے آئے ہو جب بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دے رہے ہیں، آپ

مایوس نہ ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں، کیونکہ اس کی رحمت سے مایوس وہی لوگ ہوتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا وہ تین فرشتے تھے، ان میں ایک جبریل علیہ السلام تھے، دوسرے میکائیل علیہ السلام تھے اور تیسرے اسرافیل علیہ السلام تھے، جب یہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ابراہیم نے انہیں مہمان سمجھا، پھر ان کی مہمان نوازی میں مصروف ہوگئے، ان مہمانوں کے لیے موٹا تازہ بچھڑا بھونا، جب بچھڑا بھوننے کے بعد ان کے قریب کیا تو انہوں نے اسے کھایا اور نہ ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

یہ فرشتے تھے، انہیں کھانے کی طرف، اس بچھڑے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی، جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو اس بات نے ابراہیم علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کیا، ان کے خوف اور ڈر کو دیکھ کر فرشتوں نے تسلی دی کہ آپ ڈریے نہیں ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تاکہ ہم ان کی بستی کو تباہ کریں۔

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بیٹے اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی تو یہ بشارت سنتے ہی ان کی بیوی نے اپنے چہرے پر ہاتھ مارا، جس طرح تعجب کے وقت عورتیں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر منہ پر رکھتی ہی، بیوی اس وقت مہمانوں کے پاس ہی کھڑی تھیں۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ فرشتوں نے حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب کے آنے کی بشارت دی تھی، حضرت محمد بن کعب القرظیؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے نہ کہ حضرت اسحاق، اس لیے کہ اسحاق کے بعد حضرت یعقوب کی بشارت دی گئی تھی، اگر اسحاق اسی عالم میں ذبح ہو جاتے تو اسحاق کی بشارت کا مقصد ہی نہیں رہ جاتا۔ یعقوب کا لفظ عقب سے ہے، عقب کا معنیٰ ہے بعد میں آنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ اے ابراہیم! کیا سارا تیری بیوی نہیں ہے؟ اس کا نام سارانہ پکارا جائے بلکہ اس کو سارہ کہا جائے، میں اس کی وجہ سے تجھے برکت دوں گا، میں اس میں سے تجھے بیٹا دوں گا، میں اسے برکت دوں گا، اس میں سے بادشاہ اور قبائل ہوں گے، یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام سجدہ میں گر گئے، اور یہ کہتے ہوئے ہنسے کہ سو سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے، سارہ کی عمر نوے سال ہو چکی ہے وہ کیسے بچہ جنے گی، میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اسحاق اصل تلفظ کے اعتبار سے عبرانی زبان کے یضحق سے ہے، اس کا معنٰی ہے ہنسنا، فرشتوں نے جب ان کی بشارت دی تو ابراہیم علیہ السلام متعجب ہوئے تھے اور حضرت سارہ کی ہنسی نکل گئی تھی، اسی وجہ سے ان کا نام اسحاق رکھا گیا۔

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کو اللہ تعالیٰ نے شہرت دی اور تاج نبوت بھی ان کے سر پر سجایا گیا، حضرت اسحاق کی عمر جب چالیس سال ہوئی تو حضرت ابراہیم نے ان کی شادی اپنے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کی بیٹی رفقا کے ساتھ کر دی، رفقا بانجھ تھیں، مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑواں بیٹے عطا فرمائے، ان میں سے ایک کا نام عیسو تھا اور دوسرے کا نام یعقوب تھا، اس وقت حضرت اسحاق کی عمر ۶۰ سال تھی۔

روم والے لوگ عیسو کی اولاد ہیں، حضرت یعقوب کی اولاد میں سے بنی اسرائیل ہیں، اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام پیدائش میں اپنے بھائی عیسو سے بعد میں دنیا میں اس طرح تشریف لائے کہ انہوں نے عیسو کی ایڑی پکڑی ہوئی تھی، ایڑی کو عربی میں عقب کہتے ہیں، اسی لیے ان کا نام یعقوب رکھا گیا، مگر جس نام نے شہرت پائی وہ اسرائیل تھا، اسی لیے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

حضرت اسحاق ایک سو اسی سال زندہ رہے، ارض مقدسہ میں ان کا وصال ہوا اور اپنے باپ حضرت ابراہیم کے پاس دفن کئے گئے پھر جب سارہ کا وصال ہوا تو حضرت نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے نکاح کیا اس سے آپ کی یہ اولاد ہوئی۔ مدین، مدائن، نہشان، زمران، شبوخ۔ پھر آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے وصال اور نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے درمیان دو ہزار چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہود اس سے چار سو سال کم کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پوتے تھے، جلیل القدر پیغمبر تھے، ان کی والدہ کا نام رفقا تھا، اپنی والدہ کے بہت لاڈلے اور چہیتے تھے، جب کہ عیسو جو حضرت یعقوب کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے اپنے ابا کے بہت لاڈلے اور چہیتے تھے۔یعقوب کی وجہ تسمیہ بیان کی جاچکی ہے، ان کا نام اسرائیل تھا، اسرا کا معنٰی بندہ جب کہ ایل کا معنٰی اللہ، اسرائیل کا معنٰی ہوا اللہ کا بندہ۔

حضرت یعقوب اپنی والدہ کے کہنے پر فدان چلے گئے تھے، جہاں ان کے ماموں ابان رہتے تھے، تو ان کے ماموں نے ان سے عہد لیا کہ اگر وہ ۱۰ سال ان کے ہاں رہ کر ان کی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دے کر اپنی بیٹی سے ان کی شادی کر دیں گے، چنانچہ یعقوب نے اس مدت کو پورا کر لیا تو بموجب وعدہ لابان نے اپنی بڑی بیٹی "لیا" سے ان کا نکاح کرنا چاہا مگر یعقوب نے اپنا رجحان طبع ان کی چھوٹی بیٹی راحیل کی طرف ظاہر کیا، لابان نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کے نکاح سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا، لہذا تم اسی رشتہ کو منظور کرو، اور اگر تم دس سال مزید میری خدمت کرو تو راحیل بھی تمہارے نکاح میں دی جاسکے گی، (اس زمانہ میں دو بہنوں کا نکاح میں جمع ہونا شرعاً ممنوع نہیں تھا)

چنانچہ حضرت یعقوب نے اس مدت کو بھی پورا کیا اور راحیل سے بھی شادی کر لی، ان دونوں بہنوں کے علاوہ "لیا" کی باندی "زلفا" اور راحیل کی باندی "بلہا" بھی آپ کی زوجیت میں آ گئیں اور ان سب سے اولاد ہوئی، "لابان" نے یعقوب کو ۲۰ سال اپنے پاس رکھنے کے بعد بہت مال و متاع اور جانوروں کے ریوڑ دے کر رخصت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کنعان کی طرف یعقوب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے تاج نبوت ان کے سر پر سجایا، اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ تم اہل کنعان کی طرف نبی ہو، اب یہاں سے جا کر وہاں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اور شریعت ابراہیمی کے مطابق وہاں کے لوگوں کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تھا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت یعقوب کئی سال تک یہاں دعوت کا کام کرتے رہے۔

کنعان دو پہاڑوں کے درمیان میں واقع تھا، یہاں کے رہنے والے لوگوں کے لیے یہ جگہ تنگ تھی، چنانچہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے جگہ کی تنگ دامنی کی شکایت کی، حضرت یعقوب نے اس شکایت پر اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائی، اللہ نے دعا قبول فرمائی، حضرت یعقوب نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ دونوں پہاڑ اپنی جگہ سے کھسک گئے اور اہل کنعان کے لیے جگہ کھلی ہو گئی۔

ایک بار آپ کا بیٹا یہودا قوم عمالقہ کے ساتھ جنگ کر رہا تھا، دوران جنگ یہودا کا برچھا ٹوٹ گیا، اس نے اپنے ابا یعقوب علیہ السلام کو آواز دی، جب کہ یعقوب ۷۰ فرسخ کے فاصلے پر تھے، حضرت یعقوب تک یہ آواز پہنچی، آپ نے اتنی دور سے اسے برچھا پھینکا جو اس تک جا پہنچا تھا۔

علماء نے حضرت یعقوب کے معجزات کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ ایک بار سلجم بن دارہ آپ کے پاس آیا، یہ کنعان کا بادشاہ تھا، وہ اپنے لشکر سمیت حضرت یعقوب کے پاس آیا تھا، ان سے آ کر اس نے پوچھا کہ آپ کس کی اجازت سے یہاں آئے ہیں؟ حضرت

یعقوب نے جواب دیا کہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا پوتا ہوں، میں اللہ کا نبی ہوں، میں اپنے اللہ کے حکم سے یہاں آیا ہوں، تاکہ تجھے اور تیری قوم کو ایمان کی دعوت دوں، اگر تو اس دعوت کو قبول کرلے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے، ورنہ دوسری صورت میں تیرے خلاف جہاد کروں گا۔

بادشاہ یہ سن کر طیش میں آیا، اور کہنے لگا کہ تمہارے پاس لشکر کہاں ہے کہ تو مجھ سے لڑائی کرے گا؟ اس پر حضرت یعقوب نے شمعون سے کہا کہ میں اس بادشاہ کے ساتھ اللہ کی مدد سے فرشتوں اور اپنی اولاد کے ہمراہ جہاد کروں گا۔

اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو ایمان کی دعوت دی، جسے اس نے قبول نہ کیا اس پر حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو اس سے جہاد کرنے کا حکم دیا، چنانچہ شمعون بن یعقوب یکے و تنہا اس کے قلعہ کے دروازے پر جا بیٹھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ !اس قلعہ کو ہمارے لیے کھول دیجیے، آپ بہترین کھولنے والے ہیں، میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا پروردگار ہے۔

یہ کہہ کر قلعہ کے دروازہ پر اپنا داہنا پاؤں اس زور سے مارا کہ تمام قلعہ میں زلزلہ آگیا، اس قلعہ کی تمام دیواریں زمین بوس ہو گئیں اور سارے لوگ نیچے دب کر مر گئے۔

حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے، جنہیں قرآن کریم "اسباط" کا نام دیتا ہے، سبط عربی زبان میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کی شاخیں بہت زیادہ ہوں، ان کو بھی اسباط اس لیے کہا گیا کہ ان بارہ بیٹوں سے آگے بہت اولاد پیدا ہوئی، حضرت یعقوب کی ساری اولاد بن یامین کے علاوہ ان کے ماموں کے ہاں فدان میں ہی پیدا ہوئی، بن یامین فلسطین میں پیدا ہوئے۔

حضرت یعقوب کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے سر پر اللہ نے تاج نبوت سجایا تھا، جنہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج ان کے لیے سجدہ ریزی

میں مشغول ہیں، اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو تخت پر بٹھایا تھا، نبوت دی تھی، والدین اور بھائیوں کو ان کی خدمت میں پہنچایا گیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ابا کے بہت ہی پیارے، لاڈلے اور چہیتے تھے، باقی اولاد کی بہ نسبت ان سے بہت ہی پیار تھا، یہی وجہ تھی کہ بھائی حسد کی آگ میں جلتے بھنتے تھے، اسی لیے انہوں نے انہیں بھلا پھسلا کر والد سے دور کر دیا، پھر ایک گم نام کنویں میں ڈال دیا، وہاں سے قافلے والے انہیں لے کر مصر پہنچے، جہاں عزیز مصر کے ہاں رہے، پھر وہاں ایک ناکردہ جرم کی سزا کے طور پر جیل چلے گئے، رہائی کے بعد اللہ نے تاج نبوت ان کے سر پر سجایا۔

یعقوب کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر سخت دکھ اور صدمہ پہنچا، آپ بیٹے کی جدائی پر سخت روئے، آپ نے آنسو بہائے، ایک وقت آیا کہ آپ کی آنکھوں سے بینائی بھی چلی گئی تھی، ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق حضرت یعقوب نے شہر سے باہر الگ گھر بنایا ہوا تھا تاکہ ان کے رونے کی آواز کسی کو سنائی نہ دے، جب رات کا سناٹا چھا جاتا تو اس گھر میں آجاتے تھے جہاں دروازے بند کر کے یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے روتے اور تڑپتے رہتے تھے، ساری ساری رات ایسے ہی گزر جاتی اور صبح ہو جاتی، قرآن کریم کی سورۃ یوسف میں حضرت یعقوب کی بینائی چلی جانے کا ذکر موجود ہے۔

جب یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بن گئے تو اس کے بعد ایک قدرتی تدبیر کے باعث ان کے والدین مصر پہنچائے گئے، جب حضرت یوسف کو اپنے والدین کی اطلاع پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ چکے ہیں تو اپنے والدین کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل کر آئے تھے، عرصہ دراز کی جدائی کے بعد جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے لخت جگر یوسف علیہ السلام کو اپنے سینے سے چمٹالیا، اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے دربار لگایا اور اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، دستور کے مطابق تمام درباریوں نے آپ کو سجدہ کیا، اسی دوران ان کے والدین بھی سجدہ میں گر گئے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی تھی، یہ مسجد ایلیا میں تعمیر کی گئی تھی، جس کا شرف اللہ نے یعقوب علیہ السلام کو بخشا تھا، یہ تعمیر خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد ہوئی تھی، مسجد الحرام کے بعد چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، اس کے بعد مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی تھی۔

حوران جنت کی صفت

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ{۵۲}ص.

جواب ترجمہ: اور ان کے پاس وہ ہم عمر عورتیں ہوں گی جن کی نگاہیں (اپنے شوہروں پر) مرکوز ہوں گی۔

قاصرات الطرف سے مراد حوران جنت ہیں، اتراب یعنی ہم عمر، ہم سن، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب آپس میں ہم عمر ہوں گی، عمر میں کوئی تفاوت نہیں ہو گا، اسی طرح ان کی عمر اور ان کے شوہروں کی عمر بھی مساوی اور برابر ہو گی، ہم عمر ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں محبت، انس اور دوستی کا تعلق ہو گا سوکنوں کا سا، بغض اور نفرت نہیں ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز شوہروں کے لئے انتہائی راحت کا موجب ہے

اور دوسری صورت میں جبکہ ہم عمر کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہو گا۔ اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جاسکے گا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے، کیونکہ اس سے باہمی انس پیدا ہوتا ہے۔ اور رشتہ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن للمفتی)

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ
یعنی حوریں، اور ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں بھی مراد ہوں، غرض یہ کہ اہل جنت کے لیے مادی عیش و راحت کے بھی کل سامان موجود ہوں گے۔ اور اس پر عقل سلیم کو اعتراض کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ مادی لذتوں سے لطف اٹھانا بجائے خود ہرگز شریعت اور قانون فطرت کی نظر میں معیوب نہیں۔ مذموم تو ان کی صرف ناجائز صورتیں ہیں۔ " قٰصِرٰتُ الطَّرفِ "۔ یعنی بجز اپنے مردوں کے اور کسی پر نظر نہ ڈالنے والیاں، دنیا میں یہ وصف خاص طور پر محمود سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں بھی کر دیا گیا۔

"اتراب "۔ محض ہم عمری یا سن و سال میں مطابقت مقصود نہیں۔ بلکہ شوق و پسند میں ہم آہنگی، عادات و جذبات میں یکسانی، غرض ہر ایسی باہمی مناسبت مراد ہے جو ازدیاد لطف و موانست کا باعث ہو سکے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عین موقع ترغیب میں یہ ذکر اس کی دلیل ہے کہ مباح عورتوں کی جانب رغبت نہ حب الٰہی کے منافی ہے نہ کسی اور کمال کے، جیسا کہ صوفیہ ناقص یا بعض اہل باطل نے سمجھ رکھا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ قاصرات الطرف کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں اپنے خاوندوں کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی، اتراب کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمر کے لحاظ سے بھی مساوی ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مولانا احمد سعید دہلویؒ لکھتے ہیں کہ
اور ان متقیوں کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ یعنی ہر قسم کی نعمتیں طلب کر رہے ہوں گے اور وہ نعمتیں وہاں ان کو میسر ہوں گی۔ نیچی نگاہ والی عورتیں یعنی شرمیلی اور باعفت ہم عمر کو مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ حوریں سب کی سب آپس میں ہم عمر ہوں گی یا مطلب یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں کہ
وَعِندَهم قٰصِرٰتُ الطَّرفِ اَترَاب: قصرت الطرف باحیا اور شرمیلی نازنینوں کو کہتے ہیں۔ عرب اور دنیا کے تمام شرفاء میں عورت کی سب سے اعلیٰ صفت یہی سمجھی گئی ہے۔ اتراب کے معنٰی ہم سن کے ہیں یعنی ان کی تکمیل مسرت کے لئے ان کے پہلو بہ پہلو شرمیلی اور ہم سن نازنین بھی ہوں گی۔ (تفسیر تدبر قرآن)

علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ قاصِرَاتُ الطرف کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی عورتیں ہوں گی جن کی نگاہیں اپنے شوہروں پر مرکوز ہوں گی، وہ ہم عمر ہوں گی اور تینتیس سال کی ہوں گی، اتراب ترب کی جمع ہے۔ (تفسیر جلالین)

بعض اہل تفسیر تو یوں کہتے ہیں کہ اتراب سے مراد یہ ہے کہ تمام عورتیں حسن میں ایک جیسی ہوں گی، کوئی ایک بھی دوسری سے کم یا زیادہ نہیں ہوگی، کہ کہیں زیادہ حسن والی کی طرف طبیعت مائل ہو اور کم حسن والی سے اعراض کیا جائے۔

حدیث شریف میں تو یہاں تک فرمایا کہ
اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم پر کوئی بال نہیں ہو گا، جسم بالکل صاف ہو گا، ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہو گا، وہ تینتیس سال کے ہوں گے، ان میں سے ہر آدمی کی دو بیویاں ہوں گی، ہر ایک بیوی کے جسم پر ستر جوڑے ہوں گے، ان کے اندر سے اس کی پنڈلی کی خوبصورتی دکھائی دے گی، فرشتے انہیں کہیں گے کہ یہ وہ ثواب ہے جو ان کے لیے تیار کیا گیا تھا، اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

علامہ عبدالکریم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اہل جنت اپنی بیویوں کے پاس آئیں گے تو انہیں حجاب کی ذلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، نہ ہی انہیں اجازت طلبی کے تکلف کی ضرورت پیش آئے گی، فرشتے مرحبا کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے، اہل جنت جنت میں مسہریوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور تکیوں پر ٹیک لگائے

ہوں گے، بے شمار پھلوں سے لطف اندوز ہوں گے اور من پسند شرابوں سے فائدہ اٹھائیں گے، ہم عمر عورتیں ہوں گی جو حسن وجمال شکل وشباہت میں برابر ہوں گی۔(قشیری)

اہل جہنم کی خوراک حمیم وغساق

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ{۵۷} وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ{۵۸}ص.

جواب ترجمہ: یہ ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ، اب وہ اس کا مزہ چکھیں۔ اور ان طرح طرح کی چیزوں کا جو اسی جیسی (تکلیف دہ) ہوں گی۔

قرآن کریم کا عجیب اسلوب ہے جب وہ اہل ایمان کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ کفار کا ذکر بھی کرتا ہے، اہل ایمان کے لیے بیش بہا نعمتوں کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی کفار کے لیے مقرر کی جانے والی سزاؤں اور پریشانیوں کا ذکر بھی کرتا ہے، یہاں بھی پہلے اہل ایمان اور ان کو ملنے والے انعام اور صلے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی کفار کے برے انجام کا بھی ذکر کر دیا اور انہیں دی جانے والی سزا کا بھی ذکر کیا۔

جو اللہ کی نہیں مانتے تھے، نبی کی نافرمانی کرتے تھے ان کے لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے اور وہ جہنم ہے جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور چاروں طرف سے انہیں آتش دوزخ گھیر لے گی۔ یہ نہایت ہی برا بچھونا ہے۔

حمیم اس پانی کو کہتے ہیں جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اور غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب دوسری جانب ٹھنڈک کا سرد عذاب اور اسی طرح قسم قسم کے، جوڑ جوڑ کے عذاب، جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاق يُهَرَاقُ فِي الدُّنْيَا لأنتن أهل الدنيا

اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائیں۔

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں

غَسَّاقٌ: عَيْنٌ فِي جَهَنَّمَ يَسِيلُ إِلَيْهَا حُمَة كُلِّ ذَاتِ حُمَة مِنْ حَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَيَسْتَنْقِعُ فَيُؤْتَى بِالْآدَمِيِّ فَيُغْمَسُ فِيهَا غَمْسَةً وَاحِدَةً فَيَخْرُجُ وَقَدْ سَقَطَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ عَنِ الْعِظَامِ وَيَتَعَلَّقُ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ فِي كَعْبَيْهِ وَعَقِبَيْهِ ويُجَر لَحْمُهُ كَمَا يَجُر الرَّجُلُ ثَوْبَهُ (ابن ابی حاتم)

غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے پھر وہ گرم ہو کر ابلنے لگتا ہے اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)

غرض سردی کا عذاب الگ ہو گا، گرمی کا الگ ہو گا، حمیم پینے کو، زقوم کھانے کو دیا جاتا ہے اور کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو کبھی آگ کے گڑھوں میں دھکیلا جاتا ہے اللہ ہمیں بچائے۔

امام ابو جعفر طبری نے غساق کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں

قتادہ نے کہا: دوزخیوں کی کھال اور ان کے گوشت کے درمیان سے جو پانی بہتا ہوا نکلے گا وہ غساق ہے۔

سدی نے کہا: دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہوئے نکلیں گے وہ غساق ہے۔

ابن زید نے کہا: دوزخیوں کی پیپ کو گرم کر کے ایک حوض میں جمع کر دیا جائے گا اس کو غساق کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: وہ بہت گاڑھی پیپ ہے، اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مشرق بدبودار ہو جائے گا اور اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مغرب بدبودار ہو جائے گا۔

مجاہد نے کہا: وہ اتنا زیادہ ٹھنڈا پانی ہے کہ وہ ٹھنڈک کی وجہ سے پیا نہیں جا سکتا۔
عبد اللہ بن بریدہؒ نے کہا: وہ سخت بدبودار پانی ہے۔
کعبؒ نے کہا: وہ ہر زہریلے جانور مثلاً سانپ اور بچھو کا پسینہ ہے، یہ زہریلا پسینہ ایک چشمہ میں بہتا ہوا آئے گا۔ (جامع البیان ۲۳ / ۲۱۲۔۲۰۹،)

من شکله ازواج کا معنٰی ۔ اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا: اس سے مراد زمہریر ہے، یعنی سخت ٹھنڈک کا طبقہ۔
اس آیت میں "شکل" کا لفظ ہے، اس کا معنٰی ہے اس قسم کا اور شکل کا معنی عورت کا بناؤ سنگھار بھی ہوتا ہے اور اس کا میک اَپ۔
ابن زیدؒ نے کہا: "شکل" کا معنی ہے: شبیہ، یعنی اس کے مشابہ عذاب، جس کا نام اللہ نے ازواج رکھا ہے اور اس کا الگ نام نہیں رکھا۔
حسن بصریؒ نے کہا: "من شکله ازواج" کا معنٰی ہے رنگا رنگ کے عذاب، مختلف اقسام کے عذاب۔
قتادہؒ نے کہا: اس کا معنٰی ہے: عذاب کے جوڑے،
ابن زیدؒ نے کہا، اس کا معنٰی ہے: دوزخ کے عذاب کے جوڑے، (جامع البیان ۲۳ / ۲۱۳
مشہور محدث حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے جہنم کے احوال سے متعلق عربی زبان میں ایک کتاب تحریر فرمائی تھی، جس کا نام "التخویف من النار والتعریف بحال دارالبوار" اس میں انہوں نے اٹھارہویں باب میں دوزخیوں کے کھانے پینے کا ذکر کیا ہے، جس میں قرآنی آیات کے حوالے بھی ہیں اور نبوی ارشادات بھی ہیں۔
اس میں سورۃ الدخان کی آیت نقل فرمائی جس میں بتایا گیا ہے کہ شجرۃ الزقوم دوزخیوں کا کھانا ہے، گناہ گار اس سے کھائیں گے، یہ مجرمین کا کھانا ہو گا، جو تلچھٹ کی طرح ہو گا، وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔
سورۃ الصافات کی ایک آیت میں شجرۃ الزقوم کا ذکر ہے، جو دوزخ والوں کا کھانا ہے، اسی طرح سورۃ الواقعہ میں بھی دوزخیوں کے کھانے کے لیے جس درخت کا ذکر ہے وہ زقوم ہے۔

رحمت دوعالم ﷺ نے زقوم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ
اگر زقوم کا ایک قطرہ اس دنیا میں گرادیا جائے تو تمام دنیا والوں کی عیش وعشرت تباہ ہو جائے۔(ترمذی،ابن ماجہ،ابن حبان)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے۔
حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی جڑ جہنم کے نچلے طبقے میں ہے اور ٹہنیاں جہنم کے تمام طبقات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دوزخ والے لوگ زقوم سے پیٹ بھر کر کھائیں گے، زقوم ان کے پیٹ میں اس طرح کھولے گا، جوش مارے گا جیسے اُبلتا اور کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے اور کھولتا ہے، زقوم کھانے کے بعد انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، یہ پانی وہ پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے، پیاسا اونٹ بھی وہ جسے زیادہ پینے کی بیماری لگ جاتی ہے، جو کبھی سیر نہیں ہوتا، یہاں تک کہ پانی پیتے پیتے وہ مر جاتا ہے، دوزخیوں کی بھی یہی کیفیت ہوگی وہ بھی یہ کھولتا ہوا، ابلتا ہوا پانی پیتے پیتے سیر اب نہیں ہوں گے۔

دوزخیوں کو دوزخ میں جب بھوک لگے گی تو وہ فریاد کریں گے، تو ان کی فریادرسی زقوم کے درخت سے کی جائے گی، جب وہ اسے کھائیں گے تو ان کے چہروں کے چمڑے ادھڑ جائیں گے، زقوم کھانے کے بعد ان پر پیاس مسلط کردی جائے گی، پھر جب ان کی پیاس نہیں بجھے گی تو مزید فریاد کریں گے، اس کے بعد پھر انہیں یہی کھولتا ابلتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جب وہ اس اُبلتے اور کھولتے ہوئے پانی کو اپنے منہ کے قریب لے جائیں گے تو اس کی گرمی اور بھاپ کی وجہ سے ان کے چہرے جل جائیں گے، اسے پینے کی وجہ سے ان کے معدوں میں موجود چیزوں کو پگھلادے گا، ان کو لوہے کے ہتھوڑوں سے ضربیں لگائی جائیں گی، جن سے ان کا ہر عضو اسی وقت گر جائے گا، پھر دوبارہ لوٹا دیا جائے گا، یہ لوگ دوزخ میں موت کو پکارتے رہیں گے۔